اگست ۱۹۹۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

پاکستانی سیاست کے ایک نئے دور کے آغاز
چند تجاویز اور مشورے

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

اعلان داخلہ

(۱)

برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

ماہ رواں کے دوران قرآن اکیڈمی لاہور کے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس میں نئے داخلوں کا آغاز ہو جائے گا اور اوائل ستمبر سے ان شاء اللہ باقاعدہ تدریس شروع ہو جائے گی۔ وہ اصحاب جو اپنی کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی علم حاصل کرنے، بالخصوص عربی زبان کی تحصیل اور قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے خواہاں ہوں وہ اس کورس سے ضرور استفادہ کریں۔ یہ کورس بنیادی طور پر گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ حضرات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے تاہم استثنائی صورتوں میں انڈر گریجویٹ اصحاب کو بھی داخلہ دیا جا سکتا ہے۔

☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ ۲ ستمبر ۱۹۹۳ء ہے۔

☆ انٹرویو ۴ ستمبر ۱۹۹۳ء بروز ہفتہ صبح نو بجے قرآن کالج میں ہو گا۔

☆ تدریس کا آغاز انشاء اللہ ۶ ستمبر ۱۹۹۳ء بروز سوموار سے ہو گا۔

☆ بیرون لاہور سے تعلق رکھنے والے طلباء کے لئے ہوسٹل کی سہولت موجود ہے۔

(تفصیلات کے لئے ۱۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے پراسپکٹس طلب کریں۔)

(۲)

برائے بی اے کلاس ---------- قرآن کالج لاہور

ایف اے، ایف ایس سی اور آئی کام کا امتحان دے کر بی اے میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ سے قرآن کالج کی بی اے کلاس کے تربیتی سال میں داخلہ کی درخواستیں مطلوب ہیں۔

☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ ۲ ستمبر ۱۹۹۳ء ہے۔

☆ انٹرویو ۴ ستمبر ۱۹۹۳ء بروز ہفتہ صبح نو بجے قرآن کالج میں ہو گا۔

☆ تدریس کا آغاز ان شاء اللہ ۶ ستمبر ۱۹۹۳ء بروز سوموار سے ہو گا۔

☆ بیرون لاہور سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے لئے ہوسٹل کی سہولت موجود ہے۔

(تفصیلات کے لئے ۱۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے پراسپکٹس طلب کریں۔)

نوٹ:۔ نتیجے کے منتظر طلبہ بھی داخلے کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔

المعلن: پرنسپل قرآن کالج لاہور، ۱۹۱-I تاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، فون: ۵۸۳۳۶۳۸

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۲
شمارہ: ۸
صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
اگست ۱۹۹۳ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت ۳۰ سعودی ریال یا ۸ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ ۱۱ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ ۱۴ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر ۶ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۵

پاکستانی سیاست کے ایک نئے دور کے آغاز پر

چند تجاویز اور مشورے

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ انقلابی تربیت کا نبویؐ طریق ——— ۴۶

بسلسلہ منہج انقلاب نبویؐ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ الہدیٰ (قسط ۸۷) ——— ۶۵

اہل ایمان کے لئے ابتلاء و آزمائش:

سورۃ العنکبوت کی روشنی میں (۳)

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ افکار و آراء ——— ۷۲

☆ خطوط و نکات ——— ۷۴

دوحہ (قطر) سے جناب ظریف احمد ندوی کا مکتوب

☆ رفتار کار ——— ۷۷

پنوکی میں دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

پاکستانی سیاست کی گاڑی جو گذشتہ کئی ماہ سے صدر اور وزیراعظم کی باہمی رسہ کشی اور محاذ آرائی کے باعث ایک مہیب دلدل میں پھنسی ہوئی تھی اور جس کے سبب سے پوری قوم ایک شدید ذہنی تناؤ کا شکار تھی' بالآخر اس دلدل سے نکلنے میں کامیاب ہوئی اور یک بیک پورا سیاسی منظرنامہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ نگران حکومت نے جو فی الواقع بہت حد تک غیر جانبدار ہی دکھائی دیتی ہے' چارج سنبھالتے ہی نہ صرف یہ کہ آئندہ الیکشن کی تاریخوں کا اعلان کر دیا بلکہ اس کے لئے پوری تندہی کے ساتھ ضروری اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ مستقبل کی خبر تو اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں لیکن بظاہر احوال نظر یہی آتا ہے کہ الیکشن اپنے مقررہ شیڈیول کے مطابق ہوں گے اور قابل قبول حد تک منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوں گے ---- یوں پاکستانی قوم کو کم از کم سیاسی سطح کی حد تک ایک شدید حبس کے بعد گویا تازہ ہوا میں سانس لینے کا اور شدید ذہنی تناؤ سے رستگاری کا موقع ملا ہے جس پر تہہِ دل سے اللہ کا شکر بجالانا واجب ہے۔

اس نئی صورت کے بارے میں امیرِ تنظیم اسلامی اور داعیٔ تحریکِ خلافت کا تجزیہ کیا ہے' یقیناً "میثاق" کے قارئین اسے جاننے کے مشتاق ہوں گے۔ ۲۳ جولائی کے خطابِ جمعہ میں امیر تنظیم اسلامی نے تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ کے الفاظ "وَ كُنتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا" کے حوالے سے نہ صرف یہ کہ اللہ کے اس خصوصی احسان کا ذکر کیا جس کے طفیل اس شدید بحرانی کیفیت سے ہمیں نجات ملی اور جس پر کہ ہمیں اپنے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کا ممنون اور شکر گزار ہونا چاہیے بلکہ اپنے خطاب کے آخر میں اسی سورہ کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کے حوالے سے اس سہ نکاتی لائحہ عمل پر بھی مجملاً روشنی ڈالی جو ان حالات میں قرآن ہمارے لئے تجویز کرتا ہے اور جو فی الحقیقت تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کے پیش نظر ہے ------ امیرِ تنظیم نے اپنے اس خطاب میں موجودہ حالات کا ایک بھرپور تجزیہ پیش کرتے ہوئے انتخابات کے حوالے سے کچھ مشورے اور تجاویز بھی پیش کیں' انتخابات کے انعقاد اور

اس کے نتائج کے حوالے سے آئندہ کی توقعات اور اندیشوں کا بھی ذکر کیا اور مذہبی سیاسی جماعتوں کی خدمت میں خصوصی طور پر بعض تجاویز پیش کیں اور ان کے ممکنہ سیاسی محاذ پر کہ جس کے کچھ آثار چند روز قبل نظر آنے لگے تھے' اطمینان اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس امر کی یقین دہانی کرائی کہ اگر تمام بڑی اور قابلِ ذکر مذہبی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو جائیں تو ہماری بھرپور اخلاقی تائید انہیں حاصل ہو گی۔ یہ نہایت جامع اور بھرپور خطاب موجودہ صورت حال کے قریباً تمام گوشوں کا بہت خوبصورتی اور توازن کے ساتھ احاطہ کرتا ہے' چنانچہ اسے نہایت عجلت میں مرتب کرکے زیرِنظر شمارے میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے تاکہ پوری بات اپنے مکمل سیاق و سباق کے ساتھ' صحیح وقت پر رفقاء و احباب کے سامنے آسکے۔ یہ خطاب اس پہلو سے گزشتہ شمارے میں شائع ہونے والے مفصل خطاب کا تسلسل قرار دیا جا سکتا ہے کہ جس میں امیرِ تنظیم نے یہ بات وضاحت سے بیان کی تھی کہ "سیاست" کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر کیا ہے' سیاست کے کس حصے کو ہم نے اپنے لئے شجرِ ممنوعہ قرار دیا ہے اور وہ کون سا حصہ ہے جو ہمارے نزدیک لازمی و ضروری ہے اور جسے دین سے جدا کرنے سے "چنگیزیت" لازم آتی ہے اور پھر یہ کہ پاکستان کے مخصوص حالات میں دینی جماعتوں کا انتخابی سیاست میں دخیل ہونا مفید نتائج کا حامل ہے یا مضر اثرات کا باعث' وغیرہ۔ چنانچہ گذشتہ شمارے کا مذکورہ خطاب اور یہ حالیہ خطاب مل کر گویا ایک مضمون کو مکمل کرتے ہیں اور ان میں ہمارے رفقاء و احباب کے لئے رہنمائی کا بہت کچھ سامان ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الحقَّ حقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الباطلَ باطلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی اوائل اگست میں قریباً دو ماہ کے لئے بیرونِ ملک سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ پروگرام یہ ہے کہ اس بار امریکہ میں منتخب نصاب کے دروس انگریزی زبان میں ریکارڈ کروا دیئے جائیں تاکہ ایک دیرینہ تقاضا پورا کیا جاسکے جو وقت کی بھی اہم ضرورت ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے اس پروگرام کو بحسن و خوبی سرانجام دے کر بخیر و عافیت اور صحت و سلامتی کے ساتھ وطن واپس لوٹیں ○○

تذکرہ و تبصرہ

پاکستانی سیاست کے ایک نئے دور کے آغاز پر چند تجاویز اور مشورے

—— امیر تنظیم اسلامی کا ۲۳ جولائی کا خطاب جمعہ ——

حضرات! آج جن آیات کی تلاوت کی گئی ہے ان پر اس سے قبل اس مقام پر بھی کئی مرتبہ گفتگو ہو چکی ہے۔ پھر اس پر میری ایک تالیف بھی "امت مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل" کے نام سے مطبوعہ موجود ہے۔ تین آیات کا یہ مجموعہ اس اعتبار سے قرآن مجید کے جامع ترین مقامات میں سے ہے کہ ان تین آیات میں عمل کے جو تین نکات ہمارے سامنے آتے ہیں اگر ہم ان پر عمل کریں تو واقعہ یہ ہے کہ دین اور دنیا کی پوری سعادت ہمارے حصے میں آسکتی ہے۔ آج مجھے ان آیات کے بارے میں تفصیلی گفتگو نہیں کرنی، اگر وقت ملا تو آخر میں ان کے مضامین کا مختصر اعادہ کروں گا۔ یہ سورۂ آل عمران کی آیات نمبر۱۰۲، ۱۰۳ اور ۱۰۴ ہیں۔ پہلی آیت بھی مختصر ہے اور تیسری آیت بھی، البتہ درمیانی آیت قدرے طویل ہے اور اس میں ایک نقشہ کھینچا گیا ہے: "وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا" یعنی "اے مسلمانو! تم آگ کے گڑھے کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تھے، اللہ نے تمہیں اس سے بچایا ہے"

مقامِ شکر

تاریخی اعتبار سے اس کا ایک پس منظر ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی پوری نوعِ انسانی بحیثیت مجموعی بھی تباہی کے گڑھے کے کنارے کھڑی تھی، خاص طور پر اہلِ عرب جس تباہی کے کنارے پہنچ چکے تھے اور سب سے بڑھ کر اوس اور خزرج کے دو قبیلے جس ہلاکت اور بربادی کے گڑھے تک پہنچ چکے تھے ان الفاظ میں درجہ بدرجہ ان

سب کا تذکرہ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جو ہماری قومی اور ملکی صورت حال ہے اس پر بھی یہ الفاظ صد فی صد راست آتے ہیں۔ یعنی تقریباً چار مہینے تک ہمارے ہاں بحران کی جو کیفیت طاری رہی' اولاً مرکزی حکومت برخواست کی گئی اور نیشنل اسمبلی تحلیل کی گئی' پھر اس کے بعد اسمبلی بحال کی گئی تو مرکزی حکومت کے ساتھ صوبوں کی محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہوا' ایوان صدر اور وزیراعظم ہاؤس گویا کہ دو متحارب کیمپ بن گئے' دو مورچے تھے جن سے مسلسل گولہ باری ہو رہی تھی۔ ہمارے ہاں مسلح قوتوں کے باہم متحارب ہونے میں بھی یوں سمجھئے کہ بالکل بال برابر کسر رہ گئی تھی۔ ورنہ اگر لاہور میں رینجرز اور پولیس کے درمیان شوٹ آؤٹ شروع ہو جاتا' یا اگر اسلام آباد میں یہ صورت حال ہو جاتی' اس لئے کہ اسلام آباد کی پولیس پر کسی اور کا حکم چل رہا تھا اور راولپنڈی کی پولیس کسی اور کے تابع فرمان تھی' تو یہ نہایت خطرناک صورت ہوتی' الغرض نہایت نازک حالات تھے جن سے ہمارا ملک دوچار رہا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی انسان کسی ہائی وولٹیج کیبل پر سے گزر گیا لیکن چونکہ وہ انسولیٹڈ ہوتا ہے لہٰذا انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ کتنی بڑی تباہ کن قوت اس کے قدموں تلے چل رہی ہے۔ اسی طرح انسان کو سڑک پر چلتے ہوئے بسا اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ زناٹے کے ساتھ کوئی گاڑی اتنے قریب سے گزرتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر مرئی ہاتھ نے آپ کو ایک طرف کیا ہے ورنہ آپ کے اور موت کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں رہا تھا۔ بالکل یہی کیفیت ہماری قومی' اجتماعی اور ملکی سطح پر پچھلے عرصے میں طاری رہی۔ بہرحال ہم سب کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ فوری طور پر اس کیفیت سے نجات مل گئی ہے۔ ویسے اب کیا صورت حال سامنے آ رہی ہے اور اس میں کیا خطرات اور خدشات ہیں' اور کیا امیدیں اور توقعات ہیں ان پر تو میں بعد میں گفتگو کروں گا' لیکن فوری طور پر جو بحرانی کیفیت ختم ہوئی ہے اس میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فضل و کرم کو دخل ہے' اس لئے کہ عالم اسباب میں جتنے اسباب اور عوامل کارفرما ہوتے ہیں' ہمارا ایمان ہے کہ ان سب کا آخری سرا مسبب الاسباب تبارک و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ بہرحال ہم سب کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

ہرچہ دانا کند کند ناداں

میں چاہتا ہوں کہ یہ بات ہمارے سامنے رہے کہ اس ضمن میں مشورہ میں کافی پہلے سے دے رہا تھا' کچھ اور لوگوں نے بھی یہ مشورہ دیا تھا اور خلوص دل سے دیا تھا' لیکن جگر کے اس شعر کے مصداق کہ۔

"جگر وہ تو زسرتاپا محبت ہی محبت ہیں
مگر ان کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی"

لوگ عام طور پر نہ بروقت کسی مشورہ دینے والے کے خلوص و اخلاص کو پہچان پاتے ہیں' نہ ہی بعد میں یاد رکھتے ہیں۔ میں نے نواز شریف صاحب کو ایک مشورہ اس وقت بھی دیا تھا جب یہاں مرکز میں بے نظیر بھٹو کی حکومت تھی اور وہ صوبے میں تھے اور دونوں میں محاذ آرائی شدت سے تھی۔ اب تاریخ نے گویا اپنے آپ کو دہرایا ہے۔ اُس وقت تو مرکزی حکومت کی طرف سے جو آفیسر یہاں بھیجے گئے تھے ان کی یہاں باقاعدہ پٹائی ہوئی تھی' اِس وقت کم از کم یہ تو نہیں ہوا۔ اگرچہ چارج نہیں دیا گیا لیکن پٹائی بھی نہیں کی گئی۔ میں نے اُس وقت نواز شریف صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس وقت پنجاب کی وزارتِ علیا کو اہمیت نہ دیں بلکہ اپنی پارٹی کو آرگنائز کریں' کیونکہ یہ بات پاکستان کی طویل المیعاد مصلحتوں میں سے ہے۔ پیپلزپارٹی جیسی بھی ہے' اچھی ہے یا بری' لیکن ایک جماعت کی شکل میں ہے' جبکہ اس کے مقابلے میں مسلم لیگ جماعت کی شکل میں نہیں ہے' تم جوان آدمی ہو' تمہارے اندر قوتِ کار ہے' محنت کرسکتے ہو' بھاگ دوڑ کرسکتے ہو' تم اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں مسلم لیگ کو منظم اور مستحکم کرنے میں استعمال کرو۔ لیکن اصل میں تو معاملہ ہوتا ہے ترجیحات کا' آیا ذات کی ترجیح زیادہ ہے یا قومی مفاد کی ترجیح زیادہ ہے' پھر یہ کہ آیا فوری نوعیت کی مصلحتوں کی اہمیت زیادہ ہے یا طویل المیعاد مصلحتوں کی زیادہ اہمیت ہے۔ اگر قومی مصلحتیں پیش نظر ہوتیں تو وہ مسلم لیگ کو مستحکم کرتے' لیکن انہوں نے یہ نہیں کیا۔ اسی طرح گذشتہ دنوں بھی میں نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ انہیں خود الیکشن کا اعلان کردینا چاہئے۔ خاص طور پر جب ان کی حکومت اور قومی اسمبلی عدالتی فیصلے کے نتیجے میں بحال ہوئی تھی' اس وقت یہ اپنے سیاسی کیریئر کے اعتبار سے انتہائی عروج پر تھے۔ اور اس وقت میں نے ان کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے

تھے: "Now he is a national political leader in his own right"
اس لئے کہ اب تک ان کا معاملہ یہ تھا کہ وہ ضیاء الحق صاحب کے متبنّٰی کی حیثیت سے سیاست میں آئے تھے' ان ہی نے انہیں پروان چڑھایا تھا' ان کی تربیت کی تھی اور ہر طرح سے سہارا دیا تھا' لیکن اس وقت وہ مرحلہ آیا تھا کہ واقعتاً وہ اپنی ذاتی حیثیت میں بھی ایک قومی قائد اور رہنما کے طور پر ابھر کر سامنے آئے تھے۔ اگرچہ مجھے ان سے اختلافات ہیں' انہوں نے نفاذِ شریعت ایکٹ کے نام سے دین کے ساتھ جو مذاق کیا تھا وہ ان کا بہت بڑا جرم ہے لیکن سیاست میں ان کے مقابل بے نظیر ہے جو کھلم کھلا سیکولر نظریات کی حامل ہے۔ اس اعتبار سے میرے نزدیک ان دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ بہرحال اُس وقت نواز شریف صاحب کی سیاسی پوزیشن زیادہ مضبوط تھی۔ چنانچہ میں نے مشورہ انہیں یہی دیا تھا کہ اس وقت میدان میں آؤ اور خود الیکشن کا اعلان کرو' لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ پھر وہی ہوا کہ ؎

ہرچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

یعنی وہ کام جو کوئی عقلمند انسان کرتا ہے' بیوقوف کو بھی آخر وہی کرنا پڑتا ہے' لیکن خرابیٔ بسیار کے بعد۔ جیسا کہ پنجابی میں محاورہ ہے کہ "سو پیازیں بھی کھاؤ اور سو جوتے بھی کھاؤ" ۔ اصل میں سب سے زیادہ ناسمجھی کی بات یہی ہے کہ انسان دونوں چیزوں کا نقصان برداشت کرے۔

یہی بات میں نے ایوانِ نوائے وقت میں کہی تھی۔ اگرچہ میں وہاں جایا نہیں کرتا لیکن کبھی کبھی وہ ٹیلی فون پر رائے لے لیتے ہیں۔ تو میری ایک رائے شائع ہوئی تھی کہ میں نے ۶۸ - ۶۹ء میں یہ بات کہی تھی کہ مشرقی پاکستان میں کھلا ریفرنڈم کروا کے یہ بات جاننی چاہئے کہ وہاں کے لوگ مغربی پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں ہمارے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔ آپ جبر کریں گے' تشدد کریں گے' پھر اس کا ردِّعمل ہوگا۔ تو پھر جو کچھ بھی ہوگا بعد از خرابیٔ بسیار ہوگا۔ ورنہ ظاہر بات ہے کہ ایک ہزار میل دور کا معاملہ ہے اور آپ کی مرکزی حکومت کی عملداری پورے طور سے قائم نہیں ہو سکتی۔ درمیان میں بھارت

جیسا ازلی اور پیدائشی دشمن حائل ہے' انڈونیشیا کے جزیروں کی طرح کا معاملہ تو نہیں ہے جن کے مابین سمندر حائل ہے۔ لہٰذا مشرقی پاکستانی بھائیوں کی رائے معلوم کریں کہ وہ کن شرائط پر ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اب سوچئے کہ اِس وقت جبکہ ہر پاکستانی (جو بھی بچا کھچا پاکستان اب موجود ہے اس کے ہر شہری نے ذہنی طور پر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یہی پاکستان ہے) کے دل میں کتنی خواہش ہے کہ کسی طرح بنگلہ دیش کے ساتھ کنفیڈریشن ہی قائم ہو جائے' لیکن اب بات آگے آ گئی ہے اور کنفیڈریشن بھی محالاتِ عقلیہ میں سے ہو گئی ہے' اُس وقت اگر کوئی کنفیڈریشن کا نام زبان پر لاتا تو اس کو گالی سمجھا جاتا اور اسے واجب القتل قرار دے دیا جاتا۔ یہ اصل میں ہماری سیاسی نابالغی کا مظہر ہے اور اسی لئے ہماری سیاسی قیادت میں کوئی پختگی نہیں آ سکی۔ پھر جو کچھ ہوا سب کو معلوم ہے۔ ہمیں بدترین شکست ہوئی' ہمارے ۹۳ ہزار کڑیل جوان ہندو کے قیدی بنے۔ آخر علیحدگی ہوئی۔ وہی معاملہ یہاں ہوا ہے کہ بالآخر وہی کچھ کرنا پڑا کہ جس کا مشورہ پہلے سے دیا جا رہا تھا۔ گویا وہی صورت ہوئی کہ ؎ ہرچہ دانا کند کند ناداں - لیک بعد از خرابیٔ بسیار

سیاست دانوں کی نااہلی

تیسری بات جو اخبارات میں بھی آئی ہے کہ ہمارے سیاست دانوں کی نااہلی ایک بار پھر پورے طور پر ثابت ہو گئی ہے کیونکہ سیاست دان اس سیاسی بحران اور Dead lock کو کسی طرح حل نہیں کر سکے۔ چنانچہ سیاست دان خواہ اِدھر کے ہوں خواہ اُدھر کے' ان کی ناکامی گویا نوشتۂ دیوار بن گئی ہے۔ اور ان کی سیاسی بصیرت اور تدبّر کا معاملہ اس امتحان میں انتہائی مایوس کن ثابت ہوا ہے۔ اس صورت حال میں جو بھی کریڈٹ گیا ہے وہ اگرچہ بظاہر تو صرف فوج کو گیا ہے' تاہم اس کریڈٹ کے پیچھے اور بھی بہت سے عوامل کارفرما تھے جن میں سے اہم ترین امریکہ کا شدید دباؤ ہے۔ امریکہ نے صاف اعلان کیا تھا کہ اگر یہاں مارشل لاء آیا تو کوئی مدد یا کوئی تعاون نہیں ہو گا۔ اگرچہ اِس وقت بھی امریکہ کی طرف سے کوئی تعاون نہیں ہو رہا لیکن اس کے معنی یہ تھے کہ مارشل لاء کی صورت میں ان کی طرف سے باضابطہ مخالفت ہو گی اور صورت حال مزید پریشان کن ہو جائے گی۔ چنانچہ ننگا مارشل لاء نہیں آیا۔ آج ایک تجزیہ نگار نے ایک روزنامے میں

یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ صرف ننگا مارشل لاء نہیں آیا ورنہ اب بھی معلوم ہے کہ اصل قوت اور فیصلہ تو فوج کا ہی ہے۔ اسی نے یہ فیصلہ کیا اور اسی نے اس سارے کے سارے حل پر وزیراعظم صاحب کو اور صدر صاحب کو مجبور کیا' ورنہ نہ صدر اسحاق ایوانِ صدر سے نکلنے والے تھے اور نہ ہی نواز شریف صاحب وزیراعظم ہاؤس چھوڑنے والے تھے' یہ دونوں تو گویا آخری دم تک اڑے ہوئے تھے لیکن فوج کے دباؤ پر انہیں یہ حل قبول کرنا پڑا۔ پھر بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی برائی سے بھی کوئی خیر پیدا کر دیتا ہے۔ اس مرتبہ وہ برائی ہمارے بہت قریب آگئی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک خیر پیدا فرمادیا۔ اور پیر پگاڑہ صاحب تو چونکہ ڈھکے چھپے الفاظ میں بڑی تلخ حقیقتیں بھی بیان کردیا کرتے ہیں' لہٰذا انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ اب تو لسانی تقسیم جی ایچ کیو تک پہنچ چکی ہے۔ یہ ایک بڑی تلخ بات تھی جو انہوں نے بیان کی لیکن اپنی جگہ یہ ہے ایک حقیقت' اور یہ چیز بھی مآلِ کار ایک خیر کا ذریعہ بن گئی ہے۔ اس شر میں سے یہ خیر برآمد ہوا کہ مارشل لاء کی طرف پیش رفت نہیں ہو سکی۔ البتہ جیسا کہ سب کو معلوم ہے اس بحران کے حل میں فیصلہ کن کردار فوج ہی نے ادا کیا ہے۔ اور فوج کے پیچھے' جیسا کہ میں نے عرض کیا' امریکہ کا دباؤ بھی تھا۔ زاہد سرفراز نے تو یہ بات بہت ہی ننگے الفاظ میں کہہ دی کہ جو نگران وزیراعظم لائے گئے ہیں ان سے تو بہتر تھا کہ خود امریکی سفیر ہی کو وزیراعظم بنا دیا جاتا۔ اِس وقت جو حکومت بنی ہے اس کے پیچھے موجود قوتوں کے بارے میں ہمیں زیادہ بحث نہیں کرنی چاہئے' اس لئے کہ یہ نگران حکومت ہے' انتخابات کرائے اور جائے۔ لیکن بہرحال یہ تو حقیقت ہے کہ نگران وزیراعظم صاحب امریکہ سے درآمد ہوئے ہیں' ان کی پوری زندگی ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف میں گزری ہے' ان کا پورا پس منظر اور صغریٰ کبریٰ ہمارے سامنے ہے' ان کی اہلیہ جرمن ہے' اور ان کی ساری زندگی پاکستان سے باہر گزری ہے۔ بہرحال ان کی خاندانی شرافت اور نجابت واقعتاً مسلّم ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

اس ضمن میں ایک واقعہ مجھے کل ہی ایک شخص نے بتایا ہے کہ روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں بتایا گیا ہے کہ پچھلے دنوں کسی فنکشن میں مشہور ادیب اور ڈرامہ نگار اشفاق احمد (تلقین شاہ) سے کسی امریکی نے پوچھا کہ تمہارے

ادب' تمہاری ڈرامہ نگاری اور تمہارے نظریات کا اصل پس منظر کیا ہے اور اس سے تمہارے پیشِ نظر مقصد کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کو ذہنی غلامی سے نکال کر اس کے شعور کو کسی مثبت نظریاتی اساس پر استوار کیا جائے۔ اس پر اس امریکی نے کھُل کر کہا کہ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اتنے بیوقوف ہیں کہ آپ کو یہ کام کرنے دیں گے؟ یعنی پاکستان اگر واقعتاً کسی مثبت نظریاتی اساس پر کھڑا ہو جائے تو یہ بہت بڑی طاقت بن سکتا ہے۔ یہ بات ہم سے زیادہ ہمارے دشمن جانتے ہیں۔ وہ پاکستان کے Genesis کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے' اس کی ایک تاریخ ہے' ایک پس منظر ہے' پھر یہ کہ یہ بات ان پر شاید اس طرح واضح نہ ہو جس طرح ہم پر واضح ہے اور میں نے کئی مرتبہ اپنی خلافت کی تقاریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے حوالے سے یہ بات کہی ہے کہ "مَا اَنزَلَ اللّٰہُ مِن داءٍ اِلّا انزل لہٗ دواءً" یعنی "اللہ نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا ہے کہ جس کی دوا بھی اس نے نہ اتار دی ہو" مولانا حالی نے بھی اپنی مسدّس میں یہ بات ایک شعر کی شکل میں کہی ہے۔

مرض اِس جہاں میں نہیں کوئی ایسا
کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

اسی حدیث کے حوالے سے میں نے عرض کیا تھا کہ اسرائیل کے قیام سے ایک سال پہلے پاکستان کا قیام دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسرائیل کے توڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ تو بعد میں وقت بتائے گا کہ واقعات اور حوادث کا اصل پس منظر کیا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر (Divine scheme of things) کا معاملہ ہمارے پیمانوں سے بڑا مختلف ہوتا ہے بمصداق "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" اس کے ہاں ہزار برس کی ایک تدبیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پلاننگ بڑی Long term ہوتی ہے۔ آپ کے ہاں تو زیادہ سے زیادہ پانچ سالہ یا سات سالہ منصوبے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی آفاقی اور عالمگیر حکومت کی تدبیر اور منصوبے ہزار سالہ ہوتے ہیں۔ اس لمبی سکیم کے اندر یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے' بلکہ حقیقت میں اسرائیل کا توڑ بننے کی صلاحیت اگر کسی ملک میں ہے تو وہ صرف پاکستان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر سے ناواقفیت کی بناء پر مغرب کے تجزیہ نگار بارہا یہ کہتے ہیں :

"Pakistan is still in search of an identity" یعنی پاکستان تو ابھی تک اپنے تشخص کی تلاش میں ہے کہ میں ہوں تو کیوں ہوں' کہاں سے آیا ہوں' کیوں آگیا ہوں' میری بنیاد اور میری اساس کیا ہے؟ ہماری نئی نسل تو واقعتاً بالکل نہیں جانتی کہ پاکستان کیوں قائم ہوا تھا۔ ابھی حال ہی میں ایک نہایت وجیہہ اور ذہین نوجوان سے ملاقات ہوئی جو انگلستان سے چند دنوں کے لئے آئے تھے اور واپس جا رہے تھے۔ وہاں رہتے ہوئے ان پر دین کے جو اثرات ہوئے وہ بالکل مختلف تھے اور انہیں دیکھ کر میرے اس تاثر کو تقویت حاصل ہوئی ہے کہ اصل فنڈا منٹلسٹ نوجوان تو میں امریکہ اور انگلستان میں دیکھ رہا ہوں' کیونکہ وہاں مسلمانوں کے اوپر جو اثر قائم ہو رہا ہے وہ خلوص اور اخلاص کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ وہاں جو کوئی بھی مذہب کی طرف آجاتا ہے پھر اس کا معاملہ ہمارے ہاں کے لوگوں کی طرح منافقت والا نہیں ہوتا۔ یہ دراصل وہاں کے علاقائی اثرات ہیں کہ وہاں کی فضاؤں میں منافقت پنپ نہیں سکتی۔ آپ بات کرتے ہیں تو صاف صاف کریں' یا سیدھی سیدھی دشمنی یا سیدھی سیدھی دوستی۔ یہ آزاد فضاؤں کے کچھ اثرات ہوتے ہیں۔ ہماری فضا کو تو دو سو سالہ غلامی نے مکدر (Pollute) کردیا ہے اور اس کے اندر وہ تاثیر بھی بہت کمزور ہوچکی ہے جس سے صداقت' امانت' ایفائے عہد اور سیرت و کردار کے بنیادی اوصاف پروان چڑھ سکیں۔ بقول اقبال ؎

آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

تو میں نے جب اس نوجوان سے کہا کہ تم پاکستان آجاؤ اور یہاں رہو تو اس نے کہا کہ میں یہاں رہ کر کیا کروں' یہاں منافقت ہی منافقت ہے۔ پھر اس نے کھل کر کہا کہ پاکستان ایک کھوکھلے نعرے کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا' اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس پر مجھے سخت صدمہ ہوا' لیکن صدمہ سے حاصل کیا ہے۔ اس نوجوان کو کسی نے قیامِ پاکستان کے پس منظر سے آگاہ ہی نہیں کیا' اس کے سامنے نظریات آئے ہی نہیں۔ اس کے سامنے تو وہ حقائق و واقعات ہیں جو اس وقت منظر پر ہیں۔ ان واقعات کا جو بھی تجزیہ کرے گا وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ کہاں ہے وہ اسلام اور اس کا نظام جس کا نعرہ لگایا گیا تھا' وہ کون سا "لا الٰہ الا اللہ" ہے جس کے بارے میں کہا گیا تھا: "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ"۔ حقائق

اور واقعات تو بالکل ہی برعکس ہیں۔ بہرحال جو صورت حال اس وقت ہوئی ہے اسے یوں سمجھئے کہ ہمیں مزید سانس لینے کا کچھ موقعہ ملا ہے اور کام کرنے کے لئے کچھ مزید مہلت مل گئی ہے۔ اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔

انتخابات سے توقعات

اس کے ساتھ یہ بات بھی پورے طور سے واضح ہو جانی چاہئے کہ اگرچہ میں الیکشن کا مستقل پرچارک رہا ہوں کہ انتخابی عمل کو جاری رہنا چاہئے لیکن ساتھ ہی اتنے ہی شدّومد سے یہ بھی کہتا رہا ہوں کہ اس کے ذریعے سے اسلام نہیں آ سکتا۔ میری یہ دونوں باتیں ایک Dilemma (معمہ) بنی رہی ہیں اور میرے بعض مخلص ساتھیوں کو بھی اسے سمجھنے میں بڑا وقت لگا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اب لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ یہ دونوں چیزیں علیحدہ ہیں۔ ایک ہے اس ملک کا مسلمان ہونا' اس کا اسلامی ریاست بننا اور ایک ہے اس ملک کا زندہ رہنا' برقرار رہنا' باقی رہنا۔ ان دونوں باتوں کے تقاضے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی شخص کے مسلمان ہونے کے تقاضے کچھ اور ہیں اور اس کے زندہ رہنے کے تقاضے کچھ اور۔ زندہ رہنے کے لئے ایک شخص کو' خواہ وہ مسلمان ہو' ہندو ہو' پارسی ہو یا عیسائی ہو' ہوا' پانی اور غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی چیز بھی روک دی جائے گی تو جلد یا بدیر اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ لیکن مسلمان بننے کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ اس کے لئے ایمان چاہئے' دل میں کوئی رتی' ماشہ' تولہ یقین والا ایمان ہوگا تبھی تو وہ شخص مسلمان بنے گا۔ چنانچہ کسی کو مسلمان بنانے کے لئے اس میں ایمان پیدا کرنے کی تدبیر کرنی ہوگی اور کسی کو زندہ رکھنے کے لئے اس کی بنیادی جسمانی ضروریات یعنی ہوا' پانی اور غذا کی فراہمی ضروری ہوگی۔ بعینہٖ یہی معاملہ پاکستان کا ہے۔ اس میں اسلامی نظام کا قیام اور اس کا اسلامی ریاست بننا ایک انقلابی جدّوجہد کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ نہ تو کبھی الیکشن کے ذریعے ہوگا' نہ محض دعوت و تبلیغ سے ہوگا اور نہ ہی چھاپہ مار قسم کی کارروائیوں سے ہوگا۔ اس ضمن میں ان تینوں چیزوں کی میں یکسر نفی کرتا ہوں اور جتنا بھی میں زور دے سکتا ہوں دے کر کہتا ہوں کہ ان تینوں چیزوں سے اسلام نہیں آسکے گا' وہ تو ایک ٹھوس اور منظم انقلابی جدوجہد ہی کے ذریعے آئے گا۔ ایک ایسی مرکب (Composite) جدوجہد

جس میں یقیناً دعوت و تبلیغ بھی شامل ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے لوگوں میں اسلام کا انقلابی فکر پھیلایا جاتا ہے اور انہیں اس راستے میں جدوجہد کے لئے اکٹھا کیا جاتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کی مثال مقناطیس کی سی ہے جسے لکڑی کے برادے میں ملے ہوئے لوہ چون کو الگ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لکڑی کے برادے اور لوہ چون کے آمیزے میں مقناطیس پھرایا جائے تو لوہے کے ذرات اس کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور برادہ باقی رہ جاتا ہے۔ تو قرآن وہ مقناطیس ہے جس کے ذریعے افراد کو کھینچا جاتا ہے۔ آپ اس کے ذریعے سے معاشرے میں موجود سعید روحوں کو کھینچ لیجئے' پھر انہیں جمع کیجئے' پھر انہیں بٹ کر کوڑا بنایئے یعنی ایک منظم قوت بنایئے اور پھر اسے باطل پر دے ماریئے۔ قرآن مجید نے یہ فلسفہ چند الفاظ میں بیان کردیا ہے کہ "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ" یعنی "ہم حق کو (کوڑے کی صورت میں) باطل کے سر پر دے مارتے ہیں' تو وہ اس کا بھیجا نکال باہر کرتا ہے"۔ اسی بات کو علامہ اقبال نے دو مصرعوں میں کہا ہے۔

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!!

یعنی پہلے درویشی ہے' دعوت ہے' تبلیغ ہے' تزکیہ ہے' تربیت ہے' تنظیم ہے' سو اس میں یکسوئی سے لگے رہو۔ لیکن جب پختہ ہوجاؤ' تیار ہوجاؤ' طاقت کافی ہو' مناسب تعداد ہو' تربیت بھی مناسب حد تک ہوگئی ہو' منظم ہوچکے ہو' سمع و طاعت کے خوگر ہوگئے ہو' ایک کمانڈ پر حرکت کرنے والے اور ایک حکم پر رک جانے والے بن گئے ہو تو پھر اب باطل کے ساتھ ٹکرا جاؤ۔ گھر میں بیٹھ رہنے سے تو بات نہیں بنے گی۔ ع "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!" اصل میں یہی اسلامی انقلاب کا طریق کار ہے اور یہاں اسلام آئے گا تو اسی راستے سے آئے گا۔

البتہ چونکہ یہ ملک اسلام کے نام پر لیکن ووٹ کے ذریعے بنا ہے' لہٰذا اس کے Genesis کے ان دونوں حصّوں میں سے آپ کسی ایک کو بھی نظرانداز نہیں کرسکتے۔ چنانچہ یہاں پر آج کے مسلّمہ اور مروّجہ معیارات کے مطابق ایک انتخابی عمل چلتا رہنا چاہئے۔ اس میں جب بھی رکاوٹ آئے گی تو تباہی اور بربادی آجائے گی' جیسا کہ ہوا بند ہوجائے تو حبس ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ میرا مستقل موقف رہا ہے کہ یہاں انتخابی

عمل جاری رہنا چاہئے' اگرچہ اس کے ذریعے سے اسلام نہیں آئے گا۔ اس سے کسی بہت بڑی تبدیلی کی توقع نہ کیجئے۔ الیکشن سے معاشرے میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آجائے گی۔ یہاں کے Basic Politico-Socio-Economic Structure میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی بلکہ نظامِ حکومت چلانے والے لوگوں میں بھی کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئے گی۔ وہی مزاری' وہی لغاری' وہی جتوئی' جو پہلے آتے رہے ہیں اب بھی آئیں گے۔ بلوچستان کے سردار' سرحد کے خوانین' پنجاب کے زمیندار اور جاگیردار اور سندھ کے وڈیرے ہی منتخب ہو کر آئیں گے۔ لیکن اس کے باوجود کم از کم یہ ہوگا کہ ہماری سیاست کی گاڑی جو پٹڑی سے اتری ہوئی تھی اس کے دونوں پہیے دوبارہ پٹڑی پر آجائیں گے۔ تو اس اعتبار سے اس میں کچھ بہتری کی توقع ہے۔ میں نے بارہا اس کی مثال دی ہے کہ جیسے کسی کا بخار ۱۰۶ درجے تک پہنچ جائے تو ظاہر بات ہے کہ اب بخار کے اسباب کی تشخیص و تعیین پر وقت ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ فوری طور پر بخار کو اتارنے کی فکر کی جاتی ہے' اس لئے کہ وہ شخص تو موت کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے' ہاں اس کا بخار کم کرنے کے بعد مرض کے اسباب کا کھوج لگایا جاتا ہے اور اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس طریقۂ علاج کو "Palliative Treatment" کہا جاتا ہے کہ جس سے فوری تسکین حاصل ہو جائے اور جو فوری خطرہ ہے وہ ٹل جائے' تو الیکشن کی حیثیت بھی اسی "Palliative Treatment" کی ہے' یہ اس کا مستقل علاج نہیں ہیں' ع "علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!" اس کا تو وہی راستہ ہے یعنی انقلابی جدّوجہد۔ اور اگر وہ راستہ اختیار نہ کیا گیا تو یہ علاج مریض کو زیادہ دیر تک سنبھالا نہیں دے سکے گا اور پھر وہ عذابِ الٰہی آکر رہے گا جس کا ہم نے اپنے آپ کو مستحق ثابت کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدوں کی جو خلاف ورزی ہم نے کی ہے اس کی سزا "عذابِ ادنیٰ" کی شکل میں ہمیں مل چکی جب ملک دولخت ہوا۔ اور میرے نزدیک دوسرے عذاب کا کوڑا بھی اب بالکل برسنے ہی والا ہے' بالکل ایسے جس طرح جلّاد تلوار اٹھا لے اور اس کا وار کسی کی گردن پر پڑنے والا ہو' یا جیسے کہ کوڑا تان لیا گیا ہو اور وہ کسی کی پیٹھ پر پڑنے ہی والا ہو۔ اِس وقت اس ملک کے لئے میں یہی کیفیت دیکھ رہا ہوں۔ اور اس سے پہلے جو بھی وقت ہمیں ملا ہے وہ بہت قیمتی ہے۔ ہمیں مستقل علاج کے طور پر انقلابی انداز میں جو کام

جاری رکھنا ہے میں اس کے بنیادی اصولوں کا تذکرہ بھی اجمالاً کروں گا' لیکن اس وقت ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ملک میں جو بھی بحرانی کیفیت تھی وہ ٹل گئی' گویا مریض سرسامی کیفیت سے نکل آیا۔ اس ملک کے اندر جو بہت ہی سخت تناؤ اور کھچاؤ تھا وہ ختم ہوگیا ہے۔ مزید یہ کہ جو لوگ بھی اب آئیں گے کچھ نہ کچھ تازہ مینڈیٹ لیکر آئیں گے' ان میں تھوڑی بہت خود اعتمادی کی رمق موجود ہوگی اور زیادہ دیر نہیں تو دو تین سال تک تو انہیں اطمینان کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملے گا۔ ہمارے ہاں دس گیارہ برس تک جو انتخابی عمل میں رکاوٹ رہی ہے' پھر اس میں غیر جماعتی انتخابات کے حوالے سے جو گڑبڑ کی گئی ہے اس سے ملکی سیاست کو پٹڑی سے اتار دیا گیا تھا' جیسے کوئی گاڑی derail ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس دور کے مروّجہ مسلّمہ معیارات کے اعتبار سے ہم بارہ تیرہ برس جمود (Stagnation) کی حالت میں رہے۔ اس جمود سے کُلّی طور پر نکلنے کے لئے اگر تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد دو' تین یا چار انتخابات ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اس طرح درحقیقت وہ پہلے والی کسر نکل رہی ہے کہ چونکہ برسوں ہمارا سیاسی عمل رکا رہا لہٰذا وہ ابھی تک صحت مند اصولوں پر چل نہیں پا رہا۔ صحت مند سے میری مراد اس دور کے مروجہ معیارات ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا اگر تین سال بعد پھر الیکشن کروانے پڑ جائیں۔ اس سے یہ تو ہوگا کہ ہماری سیاست کی گاڑی کے دونوں پہیے پٹڑی کے اوپر چڑھ جائیں گے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب جماعتی وابستگیوں (Party affiliations) کا معاملہ بھی کچھ بہتر ہوگا۔ آنے والوں کو بھی کان ہوگئے ہوں گے کہ ضروری نہیں کہ وہ پانچ سال کی مدت پوری کریں' اس لئے کہ جو پہلے آئے تھے وہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ ہمیں پانچ سال کے لئے حکومت کا ٹھیکہ مل گیا ہے' لیکن پہلے ہی چھٹی ہوگئی۔ چنانچہ ۱۹۹۰ء میں جو آئے تھے وہ بھی پانچ سال پانچ سال کی رٹ لگاتے ہوئے رخصت ہوگئے تو معلوم ہوا کہ یہ دستوری مدت دستور میں لکھی رہ جاتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ پانچ سال واقعتاً مل جائیں۔ اس اعتبار سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہوگیا ہوگا۔ چاہے یہی لوگ دوبارہ آئیں لیکن انہیں یہ اندازہ تو ہوچکا ہوگا کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیں پانچ سال لازماً مل جائیں گے۔ ہمیں اگر مستقبل میں کچھ نیک نامی کمانی ہے تو اس کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کام بھی کرنا پڑے گا۔ اس اعتبار سے جیسا کہ میں نے

عرض کیا' کچھ بہتری کی توقع ہے' لیکن میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اس سے کسی بنیادی انقلابی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ تاہم یہ جو بھی مہلت اور فرصت ہمیں ملی ہے' یہ بھی اللہ کا بہت بڑا فضل اور اس کا بہت بڑا کرم ہے۔

کھلے سیکولرزم کا اندیشہ

البتہ انتخابات کے بارے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس میں صرف خیر ہی خیر نہیں بلکہ ایک پہلو شر کا بھی ہے جو ایک اعتبار سے بہت تشویش کا موجب ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اسے بھی ریکارڈ پر لے آؤں۔ وہ شر یہ ہے کہ اگر اِس ملک میں صحیح معنوں میں انتخابات کا عمل جاری ہوگیا جیسے کہ اب توقع ہو رہی ہے تو اندیشہ ہے کہ یہاں سیکولرزم کا پلڑا بہت بھاری ہوجائے گا۔ اس لئے کہ دونوں متحارب سیاسی گروہ اسی ذہن کے ہیں۔ پیپلزپارٹی کی طرح مسلم لیگ کا مزاج بھی سیکولر ہے اور ان کے ہاں مذہب کا نام صرف نعرے کی حد تک ہے۔ وہی سودی معیشت اور وہی مغربی نظامِ اقتصادیات دونوں کے مابین متفق علیہ ہے۔ اس اعتبار سے بے نظیر اور نواز شریف کے درمیان سرِمو کوئی فرق نہیں۔ بینکنگ کا وہی سودی نظام' باہر سے اسی انداز سے قرضے لینا' اسی طرح ملٹی نیشنل کمپنیوں کو سرمایہ کاری کی دعوت دینا وغیرہ ایسے معاملات ہیں جن پر ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ اس اعتبار سے اندیشہ ہے کہ الیکشن کے فوراً بعد ہمارے ہاں اب جو نیا دور شروع ہوگا وہ ایک سیکولر دور ہوگا اور اس میں ہم پر مذہب کا جو ایک مصنوعی خول موجود ہے وہ اتر جائے گا۔ میں کسی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لے رہا' یہ ایک امرِواقعہ ہے کہ ہم نے اپنے اوپر مذہب کا ایک مصنوعی خول چڑھا رکھا ہے اور یہ معاملہ ہمارے معاشرے کے اکثر و بیشتر افراد کا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے اور جائزہ لے کہ اس کے نزدیک اصل اہمیت پیسے کی ہے یا ایمان کی؟ حدیث شریف کے الفاظ ہیں: "حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُحَاسَبُوْا" یعنی "اپنا محاسبہ کرلو اس سے پہلے کہ (قیامت کے دن عدالت خداوندی میں) تمہارا محاسبہ کیا جائے۔" سورۃ القیامہ میں واردشدہ الفاظ "بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ" کے مطابق ہر شخص خود اپنے بارے میں تو پوری بصیرت رکھتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ تو ہم میں سے ہر شخص کو' مجھے اور

آپ کو' اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ ہمیں دنیوی مفادات زیادہ عزیز ہیں یا اخروی فلاح زیادہ عزیز ہے؟ ہر شخص اپنے باطن میں ترازو کھڑا کرے اور اپنے آپ کو تولے۔ آپ مجھے نہ تولئے' میں آپ کو نہیں تولوں گا' بلکہ ہر شخص اپنا اپنا حساب اور محاسبہ کرے اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حساب کا وقت آجائے! ---- ہم اگر اپنے باطن میں جھانکیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا ہمیں آخرت سے زیادہ عزیز ہے اور ہم سورۃ الاعلیٰ کی ان آیات کا مصداق بن چکے ہیں: "بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○" یعنی تمہارا اصل مرض یہی ہے کہ تم دنیا کو ترجیح دیتے ہو' دنیا کی زندگی اور اس کے معاملات تمہارے نزدیک اہم تر ہیں' حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی ہے! ----- لیکن ہمارا معاملہ تو وہی ہے کہ "آنکہ او جھل پہاڑ او جھل" اور ے اب تو آرام سے گزرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے!

تو جب انفرادی سطح پر ہمارا حال یہ ہے تو قومی سطح پر بھی یہی ہوگا۔ وہ حدیث میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ "كما تكونون كذٰلك يُؤَمَّرُ عليكم" یعنی جیسے تم خود ہو گے ایسے ہی تم پر حکمران مسلّط کر دیئے جائیں گے۔ ایک زمانے میں مولانا مودودی رحمہُ اللہ نے بڑی پیاری مثال دی تھی کہ معاشرے کا معاملہ تو دودھ کا سا ہے جسے آپ بلوتے ہیں تو مکھن نکلتا ہے' آپ کے پاس جیسا دودھ ہوگا آپ کو اسی طرح کا مکھن حاصل ہوجائے گا۔ اگر دودھ میں زہر ملا ہوا ہو تو ظاہر ہے کہ مکھن بہت زہریلا ہوگا۔ دودھ میں تو پھر بھی وہ زہر diluted form میں تھا' لیکن اس سے نکلے ہوئے مکھن میں تو وہ زہر بہت زیادہ گاڑھی صورت میں موجود ہوگا۔ تو معاشرے میں جو بھلائی یا برائی موجود ہوتی ہے الیکشن کے ذریعے سے درحقیقت اسی کا عکس سامنے آتا ہے۔ اس حوالے سے اندیشہ ہے کہ ہم نے جو مصنوعی قسم کے مذہبی لبادے اوڑھ رکھے ہیں' مذہب کے نام سے جو لیپا پوتی کر رکھی ہے اور اسلام کا جو نعرہ اختیار کر رکھا ہے الیکشن کے نتیجے میں اس کو وقتی طور پر ایک دھچکا لگے گا۔ فوری طور پر تو یہ بات میرے لئے بھی تشویشناک ہے اور آپ کے لئے بھی' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مستقبل کے اعتبار سے اس میں بھی ایک خیر کا امکان موجود ہے --- اور وہ یہ ہے کہ اس صورت میں ہماری مذہبی جماعتوں کو اپنی حکمت عملی کا ازسرِنو جائزہ لینا ہوگا کہ آج تک ہم نے کیا کیا ہے؟ کیا کھویا ہے کیا پایا ہے؟ ابھی تک تو بعض

مذہبی جماعتوں کے زعماء کی طرف سے یہ دعویٰ سامنے آتا رہا ہے کہ انتخابی سیاست میں حصہ لے کر اگرچہ ہم اس ملک میں تاحال اسلام نافذ نہیں کروا سکے لیکن ہم نے یہاں سیکولرزم کے قدم بھی جمنے نہیں دیئے!! انہیں یہ دعویٰ کرنے کا کسی نہ کسی درجے میں حق حاصل ہے' لیکن یہ جو معاملہ ہوتا ہے کہ گاڑی نہ اِدھر کو چلے اور نہ اُدھر کو تو اس کا نتیجہ تو جمود ہی ہوتا ہے۔ پانی جب ٹھہر جاتا ہے تو وہ گدلا بھی ہوتا ہے اور ناپاک بھی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں بار بار بحرانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ البتہ اب اگر گاڑی چلے گی تو اسی رُخ پر چلے گی جو عوام کا حقیقی رخ ہے۔ یعنی بحیثیتِ قوم ہماری حقیقی سوچ' ہمارا کردار' ہماری ترجیحات اور ہماری اقدارِ حیات ہی آئندہ فیصلہ کن نتائج کو جنم دیں گی۔ گویا فوری طور پر تو اندیشہ ہے کہ موجودہ انتخابات کے نتیجے میں یہ ملک اب کھلم کھلا سیکولرزم کی طرف آگے بڑھے گا (اس موضوع پر میں نوائے وقت کے "تفکر و تذکر" میں مضمون بھی لکھ چکا ہوں) لیکن اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اس سے یہ خیر برآمد ہو سکتی ہے کہ شاید ہماری مذہبی جماعتیں از سرِ نو غور و فکر (re-thinking) کریں کہ اب تک ہم نے جو کچھ کیا تھا اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ اس سے کیا حاصل ہوا؟ اور یہ re-thinking اگر کسی اجتماعی توبہ اور اصلاحِ احوال کا ذریعہ بن جائے تو اس سے یقیناً خیر ہی برآمد ہوگا اور ملتِ اسلامیہ پاکستان کا قافلہ "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" کے مصداق صحیح سمت میں اور مستحکم انداز میں سفر کا آغاز کر دے گا!

موجودہ ملکی صورت حال میں ضروری مشورے

اب میں چاہتا ہوں کہ موجودہ صورت حال کے حوالے سے کچھ ضروری مشورے پیش کر دوں۔ اگرچہ ہمارے بعض رفقاء و احباب کہتے ہیں کہ آپ خواہ مخواہ مشورے دیتے ہیں' آپ کا مشورہ کوئی سنتا تو ہے نہیں' لیکن میری رائے اس کے برعکس ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں' طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اور یہ بڑے غیر مرئی چینلز کے ذریعے پہنچتی ہے۔ آپ کو اور مجھے اندازہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بات کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے اور اس کے اثرات کہاں کہاں ہوتے ہیں۔ میں جس زمانے میں مسئلۂ سندھ والے مضامین لکھ رہا تھا اُس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ

انہیں کون کون پڑھ رہا ہے اور بات کہاں تک پہنچ گئی ہے لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ بڑے اونچے پالیسی ساز اداروں میں کتاب "استحکام پاکستان اور مسئلۂ سندھ" زیر بحث آئی ہے اور اس کے مضامین کو بڑے غور سے پڑھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے جو بات بھی کہی جائے وہ اثر رکھتی ہے اور میری سوچ چونکہ قرآنی ہے لہٰذا مجھے اس ضمن میں بھی قرآن سے رہنمائی ملتی ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا تھا: "**وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ**" یعنی تم لوگوں کو حج کے لئے پکارو تو سہی! اگرچہ اس وقت نہ وہاں ٹیلی ویژن تھا نہ ٹیلی کمونیکیشن کا کوئی نظام اور نہ ہی کوئی اور ذرائع ابلاغ تھے' یہاں تک کہ لاؤڈ سپیکر بھی نہیں تھا کہ چلئے دو چار فرلانگ تک تو آواز پہنچ جائے' لیکن ع "مجھے ہے حکمِ اذاں' لا الٰہ الا اللہ" کے مصداق حکم دیا گیا کہ اذان دو' لوگوں کو پکارو' وہ چلے آئیں گے۔ اے ابراہیمؑ تمہیں کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہاری بات کہاں کہاں پہنچائیں گے۔ تمہاری پکار کے جواب میں لوگ تمہارے پاس دور دراز کی بڑی گہری اور عمیق وادیوں میں سے گزر کر آئیں گے' پاپیادہ بھی آئیں گے اور اونٹنیوں کے اوپر سوار ہو کر بھی آئیں گے' اونٹنیاں اتنے طویل سفر طے کر کے آئیں گی کہ لاغر ہو جائیں گی۔ اس اعتبار سے جو بات صحیح ہو وہ ہمیں کہہ دینی چاہئے' اس کے اثرات بھی ان شاء اللہ ضرور نکلیں گے۔ باقی جیسا کہ میں نے وہ حدیث بھی بارہا سنائی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "**الدین النصیحۃ**" دین تو بس خیر خواہی کا نام ہے۔ "**قیل لمن یارسول اللہ**" کہا گیا اے اللہ کے رسولؐ کس کی خیر خواہی' کس کی نصیحت' کس کے ساتھ وفاداری؟ فرمایا: "**للہ ولکتابہٖ ولرسولہٖ ولائمۃ المسلمین و عامتہم**" یعنی اللہ کے ساتھ' اللہ کی کتاب کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ وفاداری' اور مسلمانوں کے اماموں کے ساتھ اور مسلمان عوام کے ساتھ خیر خواہی! گویا جو بھی مسلمانوں کے ذمہ دار ہوں' وہ خواہ آپ کو پسند ہوں یا ناپسند' چاہے وہ آپ کے نظریات کے مطابق ہوں یا نہ ہوں' لیکن جو اس پوزیشن میں آگئے ہوں کہ ان کے ہاتھ میں وہ اختیارات ہوں کہ جو اگر صحیح استعمال ہو جائیں تو ملک' قوم اور عوام کے لئے بہت مفید ہوں اور اگر ذرا غلط استعمال ہو جائیں تو پھر ملک' قوم اور ملت کے لئے بہت نقصان دہ ہو سکتے ہوں تو ان کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ جو بھی صحیح مشورہ انہیں دیا

جاسکتا ہو ضرور دیا جائے۔ پھر مجھے یہ خیال بھی ہے اور کل ہی کسی اخبار میں کارٹون بھی دیکھا ہے کہ نئے وزیراعظم صاحب کے گرد مشوروں کی فائلوں کے انبار لگے ہوئے ہیں' اس لئے کہ ہرطرف سے مشورے ہی مشورے آ رہے ہوں تو آدمی اسی کے اندر گم ہوجاتا ہے کہ کس کس کے مشورے مانوں' اس کے باوجود ہم نے تنظیمِ اسلامی کی مجلسِ مشاورت کے مقامی اراکین کو جمع کرکے ان مسائل پر غور کیا تاکہ میں یہاں پر جو بات بھی کروں وہ ہماری ایک سوچی سمجھی رائے ہو۔

انتخابات کا بروقت انعقاد

تو سب سے پہلا مشورہ جو میرے نزدیک سو باتوں کی ایک بات کی حیثیت رکھتا ہے' یہ ہے کہ الیکشن کسی صورت میں ملتوی نہیں ہونے چاہئیں' نہ تو اصلاحات کے نام پر اور نہ ہی کسی احتساب کے نام پر۔ یہ دو چور دروازے ایسے ہیں جنہیں ہمیشہ انتخابات کے التوا کا ذریعہ بنایا جاتا رہا ہے۔ لوگوں کی طرف سے جو تجاویز آ رہی ہیں' ان میں سے جو تجویز بھی لمبی مدت کی متقاضی ہو اسے فی الحال قابل اعتناء نہ سمجھا جائے' مثلاً متناسب نمائندگی کی تجویز کے بارے میں الیکشن کمشنر نے کہہ دیا ہے کہ اس کے روبہ عمل آنے کے لئے ڈیڑھ سال کا عرصہ درکار ہے۔ چنانچہ کسی قسم کی اصلاحات اور کسی احتساب کے نام پر الیکشن کو ملتوی نہیں ہونا چاہئے اور مجھے توقع ہے کہ جس طور کی یہ حکومت بنی ہے وہ مقررہ اور معینہ وقت پر الیکشن کرادے گی۔ اس کے باوجود ہم چاہتے ہیں کہ اپنی بات کو ریکارڈ پر لے آئیں کہ صرف وہ اصلاحات جو اس معین مدت کے اندر ہوسکتی ہوں ان پر غور کیا جائے اور ان پر عمل درآمد کیا جائے لیکن کوئی ایسی اصلاح جو کاغذ کے اوپر یا الفاظ کی شکل میں خواہ کتنی ہی اچھی نظر آتی ہو' اگر اس کا تقاضا الیکشن میں تاخیر ہو تو پھر اس کو ملتوی کیجئے اور اسے اگلے الیکشن کے موقع پر زیرِ غور لائیے۔ نئی حکومت بن جائے گی تو پھر انتخابات کے لئے نئے تفصیلی اصول بنالیجئے گا لیکن اس وقت سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ الیکشن کسی صورت ملتوی نہیں ہونے چاہئیں۔

قومی اور صوبائی انتخابات ایک ہی دن میں

انتخابات کے ضمن میں چند مشورے ذیلی نوعیت کے ہیں۔ میرا ایک مشورہ پہلے سے

بھی ریکارڈ پر ہے اور یہ بات بعض سیاسی قائدین کی طرف سے بھی آئی ہے کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ایک ہی دن میں ہونے چاہئیں۔ اگرچہ اس کے لئے سو بہانے بنائے جائیں گے لیکن اس میں قطعاً کوئی مشکل نہیں ہے' بلکہ اس میں اخراجات اور وقت کی بچت ہے۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات دو مختلف دنوں میں ہوں تو ساری انتظامی مشینری دوبارہ حرکت میں لانا پڑے گی' پریذائیڈنگ افسر اور سارا انتخابی عملہ دوبارہ متعین کرنا پڑے گا اور ساری مشق دوبارہ کرنی پڑے گی۔ اس کی بجائے ایک تیر میں دو شکار کیجئے یعنی دو ووٹ ایک ہی وقت میں دے دیجئے۔ اس کے لئے ایک بوتھ کے دو حصے بنائے جاسکتے ہیں' رائے دہندہ اندر جائے تو یہ نہ ہو کہ اسے ایک ہی وقت میں دو پرچیاں دے دی جائیں بلکہ وہ اندر داخل ہو تو پہلے اسے مرکزی پرچی دی جائے' اسے وہ مرکزی صندوق میں ڈالے' پھر اسی بوتھ کے اندر دوسرا حصہ ہو' جہاں وہ جائے تو اسے صوبائی پرچی دی جائے جسے وہ صوبائی صندوق میں ڈالے۔ کچھ لوگ بہانے بنا رہے ہیں کہ لوگ جانتے نہیں ہیں' پڑھے لکھے نہیں ہیں' اس لئے یہ ہوجائے گا' وہ ہوجائے گا۔ حالانکہ ان پڑھ ہونے کے جو بھی اثرات ہیں وہ تو اب بھی ظاہر ہیں۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ اس میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوجائے گی۔ ایک تجویز یہ بھی سامنے آئی ہے کہ اگر ایک ہی دن میں مرکزی اور صوبائی الیکشن کرانے بالکل ہی ناممکن ہوں تو اتنا تو کیا جائے کہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج کا اعلان نہ کیا جائے' بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ ووٹوں کی گنتی بھی بعد میں کی جائے۔ پولنگ ختم ہونے پر تمام کے تمام بیلٹ بکس فوج کی تحویل میں دے دیئے جائیں تاکہ ان کے ضمن میں کوئی غلط کام نہ کئے جاسکیں۔ فوج اگر باہر امن و امان کی نگرانی پر مامور ہو تو ووٹوں کی صندوقچیاں بھی اس کی تحویل میں دی جاسکتی ہیں۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد ووٹوں کی گنتی ایک ہی وقت میں ہونی چاہئے۔ لیکن میرے نزدیک اصل بات یہی ہے کہ دونوں الیکشن ایک ہی دن میں ہونے چاہئیں۔

متناسب نمائندگی مناسب حال نہیں!

تیسری بات یہ کہ جہاں تک متناسب نمائندگی کا تعلق ہے تو اگرچہ بعض جماعتوں کی طرف سے یہ تجویز بڑے زور و شور کے ساتھ پیش ہوتی رہی ہے' لیکن ایک تو یہ معاملہ

وقت طلب ہے' الیکشن کمیشن کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اس کے لئے ایک ڈیڑھ سال کی مدت درکار ہے اور میں عرض کر چکا ہوں کہ کوئی بھی اصلاح' چاہے وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو' اگر تاخیر کا تقاضا کرتی ہو تو اسے رُوبہ عمل نہ لایا جائے۔ دوسرے یہ کہ متناسب نمائندگی کے لئے فی الحال ہمارے ملک کی فضا سازگار نہیں ہے کیونکہ یہاں پر جماعتی وابستگیاں ابھی ایسی مستحکم نہیں ہیں۔ متناسب نمائندگی کی صورت میں چونکہ سارا اختیار جماعتوں کی قیادت کے ہاتھ میں آجائے گا جبکہ ہمارے ہاں پارٹیوں میں ابھی اس طرح کا مستحکم نظام موجود نہیں' لہٰذا اندیشہ ہے کہ یہاں پارٹیوں میں بداعتمادی کی فضا پیدا ہوگی اور پارٹی کے دستور اور قواعد و ضوابط کے حوالے سے دیوانی مقدمات (civil suit) ہو جائیں گے کہ ہماری پارٹی کے قائد نے یہ بددیانتی کی ہے۔ اس اعتبار سے ابھی اس کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد سیاسی شعور اس درجے آگے آجائے کہ جماعتی وابستگیاں پختہ اور مستحکم ہو جائیں تو پھر متناسب نمائندگی یقیناً ایک بہتر صورت ہوگی۔ تاہم فی الحال ہم اس کے حق میں نہیں ہیں۔

شناختی کارڈ کی پابندی

چوتھی بات شناختی کارڈ کے ضمن میں ہے کہ شناختی کارڈ کی پابندی لازماً ہونی چاہئے کیونکہ بوگس ووٹنگ کے راستے میں یہ کافی بڑی رکاوٹ ہے۔ البتہ بعض لوگوں کی طرف سے آنے والی یہ بات صحیح ہے کہ جن لوگوں کے شناختی کارڈ نہیں بنے یا جن کے گم ہو گئے ہیں انہیں شناختی کارڈ جاری کرنے کے لئے معمول کے طریق کار کی بجائے ہنگامی بنیادوں پر نئے شناختی کارڈ بنانے کا کام ہونا چاہئے۔

امیدوار کی اہلیت کا معیار

پانچویں بات قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی رکنیت کے معیار کے بارے میں ہے۔ یہ بات پہلے سے طے چلی آ رہی ہے اور اسی کے حوالے سے مدیرِ تکبیر صلاح الدین صاحب اور اردو ڈائجسٹ کے مدیر الطاف حسن قریشی صاحب کی طرف سے ایک رٹ پٹیشن بھی دائر ہوئی تھی کہ ہمارے دستور میں جو لکھا ہوا معیار ہے کہ کون الیکشن لڑنے کے لئے نمائندہ بن کر سامنے آ سکتا ہے' اس پر کسی نہ کسی درجے میں تو عمل ہونا چاہئے' لہٰذا جس

قدر بھی ممکن ہو اس کا اہتمام ہونا چاہئے' لیکن میں پھر یہ عرض کروں گا کہ اس کا اتنا مفصل اور elaborate نظام کہ جس کی وجہ سے الیکشن کو ملتوی کرنا پڑے صحیح نہیں ہے۔ البتہ بعض بڑی بڑی باتیں تو ایسی ہو سکتی ہیں جو اظہر من الشمس ہیں اور بالکل نوشتۂ دیوار کی مانند لوگوں کے سامنے ہیں' ان کے حوالے سے اس پر کچھ نہ کچھ عملدر آمد شروع ہو جانا چاہئے۔

انتخابی اخراجات کی تحدید

اس ضمن میں آخری بات یہ ہے کہ انتخابی اخراجات کا معاملہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جو دستور میں لکھی ہوئی ہیں' ان کے بارے میں قوانین موجود ہیں' لیکن ان کے اوپر کوئی عمل نہیں ہے۔ گویا بعض چیزوں کے بارے میں اجتماعی طور پر یہ طے ہے کہ یہ صرف لکھی رہ جانے والی چیزیں ہیں' ان پر عمل نہیں ہوگا!! ضیاء الحق صاحب نے بھی ان سب معاملات سے صرف نظر کرلیا تھا اور لوگوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی تھی' چنانچہ انتخابی اخراجات کی حد متعین ہونے کے باوجود ایک ایک امیدوار کروڑوں روپیہ خرچ کرتا رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس پر بھی بڑی باریک بینی کے ساتھ فوری عمل درآمد ممکن نہیں ہے' اس میں ابھی کچھ وقت لگے گا' رفتہ رفتہ اس کی کچھ روایات ہمارے ہاں مستحکم ہوں گی' تبھی اس کے اندر ایک ارتقائی عمل ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن بعض معین چیزیں ایسی ہیں جن پر فوری عملدر آمد ہونا چاہئے' مثلاً یہ کہ کپڑے کے بینرز کا سائز مقرر کردیا جائے کہ اس سے بڑا سائز نہیں ہوگا۔ تعداد بھی اگر معین کی جاسکے تو کرنی چاہئے ورنہ سائز تو لازماً معین کردیا جائے اور اس کی پابندی بھی بڑی آسانی کے ساتھ کروائی جاسکتی ہے۔

اسی طریقے سے اخباری اشتہارات کا معاملہ ہے۔ مخالفین کی کردار کشی پر مشتمل' نئی نئی تنظیموں کی طرف سے اور گمنام اشتہارات پر سختی کے ساتھ پابندی ہونی چاہئے۔ اخباری اشتہارات صرف پارٹیوں کی طرف سے ہونے چاہئیں اور ان میں اصل زور پارٹی منشور پر ہونا چاہئے۔ آپ واضح کیجئے کہ آپ کا پروگرام کیا ہے' آپ کرنا کیا چاہتے ہیں' آپ اس ملک کے حالات میں بہتری کس طرح لانا چاہتے ہیں؟ یہ باتیں اگر اخباری پبلسٹی کے حوالے سے لوگوں کے سامنے آئیں تو کچھ لوگوں کو یاد بھی رہیں گی اور ان کے

حوالے سے وہ منتخب نمائندوں سے ایفائے عہد کا تقاضا کریں گے۔ ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ منشور کتابوں میں لکھے رہ جاتے ہیں اور کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ فلاں پارٹی کا منشور کیا ہے۔ ہمارا سارا معاملہ تو شخصیات کے گرد چل رہا ہے' جبکہ سیاسی عمل میں اصل اہمیت ہر جماعت کے منشور (manifesto) کو حاصل ہے۔ چنانچہ ہر پارٹی کی طرف سے اپنے منشور کے اہم نکات اخبارات میں بار بار نمایاں طور پر شائع کئے جائیں تاکہ رائے دہندگان کے ذہن تیار ہوں اور وہ بعد میں یاد بھی کر سکیں کہ ان سے کیا وعدے کئے گئے تھے' کس چیز کی commitment کی گئی تھی اور آیا منتخب ہونے کے بعد اس پارٹی نے ان پر عمل کیا یا نہیں۔

انتخابی مہم کے ضمن میں ایک بات میں بڑے دکھ کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ یہ جو امیدواروں کی بڑی بڑی قد آدم' بلکہ جِنّاتی سائز کی تصویروں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ نہایت قابلِ مذمت ہے۔ ہندوؤں میں تو ہم کبھی یہ سنا کرتے تھے کہ گاندھی جی کے ۸۰ فٹ کے مجسمے یا تصویر کی نقاب کشائی ہوئی لیکن افسوس کہ آج یہ لعنت ہمارے ہاں آگئی ہے' حالانکہ یہ کام ہمارے دین کے اعتبار سے حرام ہے۔ کیمرے کی تصویر کشی کے بارے میں تو پھر بھی کچھ اختلاف ہے' اگرچہ ہمارے ہاں کے اکثر علماء اس کو بھی حرام کہتے ہیں' لیکن بہرحال یہ مختلف فیہ معاملہ ہے کیونکہ حضورؐ کے زمانے میں کیمرہ موجود نہیں تھا اور یہ نئی صورت پیدا ہوئی ہے' لہٰذا یہ ایک اجتہادی معاملہ ہوگا' لیکن ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کے بارے میں تو تمام مکاتبِ فقہ کا اجماع ہے کہ یہ حرامِ مطلق ہے اور اس کی گنجائش ہمارے دین میں کوئی بڑے سے بڑا ترقی پسند عالم دین بھی نہیں نکال سکا۔ اور سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ اس بری رسم کی پیروی میں ہماری مذہبی جماعتیں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ سیاسی قائدین کی بڑی بڑی تصویروں کے ہورڈنگز چوراہوں میں نصب کئے جا رہے ہیں اور ان کے اوپر گل پاشیاں بھی ہو رہی ہیں۔ یہ تو بالکل ہندوؤں کی طرح کا معاملہ ہے کہ بتوں پر گل پاشی ہو رہی ہو اور ہار پہنائے جا رہے ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس شخصیت پرستی میں ہم بت پرستی کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔ یہ قوم شخصیت پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو رہی ہے اور دماغوں کے اوپر اقتدار کا فتور اس درجے غالب آگیا ہے کہ بعض مذہبی جماعتیں یہ کام دوسروں سے بڑھ کر کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو

اس لعنت سے نجات دلائے۔ اس پر بھی سختی سے پابندی ہونی چاہئے۔ اس کام کے شرعی طور پر حرام ہونے کے علاوہ اس پر زرِکثیر صرف ہوتا ہے۔ ایک ایک تصویر بنانے پر ہزاروں روپے خرچ ہوتے ہیں اور یہ خرچ کوئی بھی کر رہا ہو' الف کر رہا ہو یا ب' ہمیں دکھ اس لئے ہوتا ہے کہ اصل میں تو قومی دولت ہے جو خرچ ہو رہی ہے۔ یہ چاہے کسی کی جیب سے بھی نکلتی ہے لیکن اس سے ہماری اجتماعی معاشی صلاحیت متاثر ہوتی ہے' کیونکہ خرچہ تو سارے کا سارا وہاں سے نکل رہا ہے۔

ٹیلی ویژن پر مواقع کی فراہمی

متذکرہ بالا چند چیزیں ایسی ہیں جن پر شدید احتساب کے ساتھ پابندی لگائی جانی چاہئے۔ اس کا بدل یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں کے قائدین کو ٹیلی ویژن پر موقعہ دیا جائے۔ البتہ چونکہ ہمارے ہاں ایسی پارٹیاں بھی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے کل وابستگان ایک ٹانگے میں سوار ہوسکتے ہیں' لہٰذا اس اعتبار سے پارٹیوں کی درجہ بندی ہوسکتی ہے۔ ایک یہ اسمبلی ہے جو ابھی ختم ہوئی ہے' دوسری اسمبلی وہ تھی جو بے نظیر کے زمانے میں ختم ہوئی تھی۔ ان دونوں میں جو بھی پارٹی پوزیشن تھی اس کو دیکھ لیا جائے اور اس کے حوالے سے ٹائم الاٹ کیا جائے۔ جس پارٹی کے زیادہ لوگ اسمبلی میں تھے اس کو وقت بھی زیادہ دیا جائے۔ اس حوالے سے ان کے لیول بنائے جاسکتے ہیں اور اے کلاس' بی کلاس وغیرہ کا تعین کیا جاسکتا ہے' تاکہ یہ پتہ چلے کہ ایک پارٹی بڑی پارٹی ہے' اس کے لیڈر کو آپ آدھا گھنٹہ دیتے ہیں تو چھوٹی پارٹی کے لیڈر کو پندرہ منٹ دیجئے۔ وہ ٹیلی ویژن پر آکر قوم سے خطاب کریں' پھر ان کے ساتھ سوال و جواب ہو۔ اس طرح قوم کو معلوم ہو کہ ان کے پاس پروگرام کیا ہے' یہ کہنا کیا چاہتے ہیں' ان کے پاس کیا خیر یا بھلائی ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ذریعے سے قوم کو عطا ہوجائے۔

بہرحال انتخابات کے ضمن میں یہ چند مشورے ہیں جن کو میں نے چاہا کہ ریکارڈ پر لے آیا جائے۔ باقی اب اصل اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے کہ وہ ان چیزوں کو کس حد تک شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے۔ اگر یہ اللہ کے ہاں قبول ہوجائیں تو یہاں بھی ضرور قبول ہوجائیں گی۔ ہمارا تو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر یقین ہے کہ لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے مابین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا تو ان شاء اللہ یہاں

لوگوں کی زبانوں پر بھی یہ باتیں آئیں گی اور پھر یہ مانی بھی جائیں گی۔ ایسی بہت سی باتیں اللہ کے فضل و کرم سے اب مانی جا رہی ہیں اور مختلف گوشوں سے ان کی شنوائی ہو رہی ہے جو پہلے کبھی کہی جا رہی تھیں تو مجذوب کی بڑ معلوم ہوتی تھیں۔

انتخابات کے ضمن میں بعض عمومی اصولوں کا لحاظ

انتخابات کے انعقاد اور عملی طور پر اس کے انتظام و انصرام وغیرہ کے بارے میں چند مشوروں کے بعد اب اس سے بلند تر سطح کی چند باتیں پیش کر رہا ہوں جن کی حیثیت عمومی اصولوں کی ہے۔

شرافت اور شائستگی

پہلی بات اگرچہ ایسی ہے کہ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے تھی' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ انتخابی مہم کے دوران شرافت اور شائستگی کا دامن تھامے رکھنا بہت ضروری ہے۔ ہمیں اختلاف کے اندر بھی ان حدود کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے' بلکہ اس پر مجھے رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث یاد آگئی جس میں آپؐ نے فرمایا کہ چار اوصاف ایسے ہیں کہ اگر کسی شخص میں موجود ہوں تو وہ کٹر منافق ہے اور کسی میں ان میں سے کوئی ایک بھی ہو تو وہ گویا اسی درجے میں منافق ہے۔ ان میں سے جو آخری شے حضورؐ نے گنوائی وہ ہے: "اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ" یعنی جب اس کا کسی سے جھگڑا ہو جائے تو آپے سے باہر ہو جائے' گالی گلوچ پر اتر آئے۔ اس سے پہلے جو تین اوصاف بیان فرمائے وہ تو وہی ہیں جو دوسری حدیث میں بھی آئے ہیں کہ جب بولے جھوٹ بولے' جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے' جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے' اور چوتھی بات جو اس حدیث میں آئی ہے وہ یہی کہ "اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ"۔ خصومت کا مطلب جھگڑا ہے جو سیاسی سطح پر بھی ہو سکتا ہے' آراء کا جھگڑا ہو سکتا ہے' نظریات کا جھگڑا ہو سکتا ہے۔ کبھی ایسی صورت حال پیش آجاتی ہے کہ جھگڑنا ضروری ہو جاتا ہے' کبھی اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے جھگڑنا پڑتا ہے' کبھی اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے جھگڑنا پڑتا ہے' کبھی مخالف کی غلط بات کی نفی کرنے کے لئے جھگڑنا پڑتا ہے' تو جدال اور مجادلہ یعنی جھگڑا فی الاصل بری بات نہیں ہے' لیکن اس کے بارے میں

قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ "جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" یعنی ان کے ساتھ اچھے طریقے سے جھگڑا کرو' اس میں شرافت اور شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس ضمن میں افسوس کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ اس وقت جارحیت کے ارتکاب کا آغاز نواز شریف صاحب کی طرف سے ہوا ہے (واضح رہے کہ میں ماضی کی بات نہیں کر رہا) نواز شریف صاحب کی طویل نشری تقریر میں بھی اور اس کے بعد جو بیانات آئے ہیں ان کے اندر بھی جارحانہ انداز بہت نمایاں ہے۔ اختلاف اپنی جگہ پر ہے' لیکن شرافت اور شائستگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا دانشمندی کا تقاضا نہیں ہے۔ اسی طرح "اِذا خاصَم فجَر" کے مصداق آپے سے باہر ہو جانے اور گالی گلوچ سے بڑھ کر تشدد کا راستہ اختیار کرنے کا آغاز بھی بدقسمتی سے مسلم لیگ کے کارکنوں ہی کی طرف سے ہوا ہے۔ ابھی ایک روز قبل مولانا نورانی میاں کی کار پر حملہ اور خود ان کے اوپر دست درازی کا واقعہ بلاشبہ نہایت قابلِ مذمت ہے۔ اس پر میں نواز شریف صاحب کو یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ انہیں معذرت کرنی چاہئے' معافی مانگنی چاہئے۔ ابھی پچھلے دنوں لاہور ایئرپورٹ پر پیپلزپارٹی کے کارکنوں کی طرف سے کچھ لوگوں کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی تو بے نظیر نے معذرت کی تھی' حالانکہ وہ لوگ تو خالص سیکولر ہیں اور ان سے تو شاید ہم اس طرح کی توقع بھی نہ کریں' لیکن وہ اس معاملے میں ہم سے بہتر نظر آ رہے ہوں تو یہ درحقیقت بہت ہی زیادہ قابل افسوس بات ہوگی۔ نواز شریف صاحب یا ان کی پارٹی کے کسی ذمہ دار کی طرف سے اس پر معذرت آنی چاہئے تھی اور اس واقعے کی مذمت کی جانی چاہئے تھی' لیکن افسوس کہ ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔ بہرحال پہلی بات یہ ہے کہ شرافت' شائستگی اور امن کے ساتھ اپنی بات کہئے' مثبت انداز سے اپنی بات کو آگے بڑھایئے اور اس کے حوالے سے یہاں پولیٹیکل روایات قائم کیجئے۔

آئی جے آئی نہیں' مسلم لیگ کا پلیٹ فارم

دوسری بات یہ کہ میاں نواز شریف صاحب کو میرا مشورہ یہ ہے کہ اب انہیں آئی جے آئی کا نام استعمال کرنے کی بجائے سیدھی طرح مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنا چاہئے' کیونکہ اس دفعہ فوج اور اس کے خفیہ اداروں کی طرف سے ویسا کوئی کردار

متوقع نہیں ہے جو انہوں نے گزشتہ انتخابات کے موقع پر ادا کیا تھا۔ ہماری فوج کے یہ خفیہ ادارے ایک عرصہ سے ملکی سیاست کے اندر دخل اندازی کر رہے ہیں۔ اس پوری تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو ہو سکتا ہے کہ پچھلی باتیں کچھ غلط بھی کہی گئی ہوں اور ان کے اندر مصدقہ مواد نہ ہو' لیکن آئی جے آئی کی تشکیل کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ یہ آئی ایس آئی نے کرائی تھی۔ اور اس آئی جے آئی کا جو بھی حشر ہوا وہ سامنے آ چکا ہے۔ وہ ایک بالکل مصنوعی قسم کا اتحاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے جے یو آئی اس سے علیحدہ ہوئی' پھر جماعت اسلامی الگ ہوئی۔ اور اب اس میں رہ ہی کیا گیا ہے؟ لیکن سننے میں آیا ہے کہ نواز شریف صاحب اب بھی آئی جے آئی ہی کا نام برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بات اصول پسندی کے خلاف ہے۔ اس کے بجائے انہیں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو مستحکم کرنا چاہئے۔ اور مذہبی عناصر میں سے جو لوگ بھی ان پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی قیادت اور صلاحیت پاکستان کے مستقبل کے لئے مفید ہے انہیں مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہئے۔ آخر مسلم لیگ کوئی کافروں کی جماعت تو نہیں ہے۔ کیا مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مسلم لیگ میں نہیں تھے؟ اتنے بڑے دیو بندی عالم دین اگر مسلم لیگ میں شامل ہو سکتے تھے تو آج جن لوگوں کو اس کے ساتھ سیاسی اتفاق ہے وہ اس میں شامل کیوں نہیں ہو جاتے؟ کیا مولانا عبدالحامد بدایونیؒ مسلم لیگ میں نہیں تھے؟ کیا وہ بریلوی مکتب فکر کے ایک عظیم عالم نہیں تھے؟ اسی طرح مولانا داؤد غزنویؒ جو اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے پہلے کانگرس میں تھے پھر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ تو اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بنا کر رکھنے اور اس طرح ملک کے سیاسی عدم استحکام کا باعث بننے کی بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم لیگ کو مستحکم کیا جائے۔ یہ بات میں نے اس سے پہلے بھی کہی تھی اور آج پھر کہہ رہا ہوں۔ نواز شریف صاحب کے لئے یہ ایک اچھا موقع ہے اور اگر وہ اس پر اس طرح ڈٹ جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ بہت سے مسلم لیگی جو ادھر ادھر مختلف ٹکڑوں کے اندر بٹے ہوئے ہیں وہ ان کی لیگ میں واپس آ جائیں۔ لیکن بہرحال انہیں آئی جے آئی کا نقاب چہرے سے اتار کر پیپلز پارٹی کے مقابلے میں سیدھے سیدھے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنا چاہئے ـــــ (یہ بات خوش آئند ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب کے دو ہی روز بعد اخبارات میں

نواز شریف صاحب کا یہ بیان جلی انداز میں شائع ہوا کہ آئندہ انتخابات میں وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم ہی کو بروئے کار لائیں گے' آئی جے آئی کے نام سے از سرِ نو کوئی انتخابی محاذ قائم کرنے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں ہے!۔۔۔ مرتب)

اصل زور پارٹی منشور پر

تیسری بات یہ کہ' جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں' اصل زور پارٹی منشور پر ہونا چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ کسی کے پاس کیا پروگرام ہے۔ اس اعتبار سے اس وقت جو صورتحال سامنے آ رہی ہے وہ خوش آئند نہیں ہے اور یہ معاملہ ہے بھی دو طرفہ۔ بے نظیر نے بھی کہا ہے کہ ہم نواز شریف حکومت کے سکینڈلز سامنے لائیں گے۔ گویا ان کے پاس سب سے بڑا انتخابی نعرہ (Election Slogan) سکینڈلز ہی کا ہے۔ یعنی مثلاً تاج کمپنی کا سکینڈل' کوآپریٹو کا سکینڈل اور پرائیوٹائزیشن کے حوالے سے جو بندر بانٹ ہوئی ہے اور اپنوں کو نوازا گیا ہے اس طرح کے معاملات سامنے لائیں گے۔ یہ ماضی کی کردار کشی کا معاملہ ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان معاملات کو ظاہر نہ کیا جائے' لیکن میرے نزدیک یہ اس کا موقع نہیں ہے۔ البتہ اگر اگلی حکومت آپ کی بن جائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا موقع دے دے تو آپ ان معاملات پر کچھ کر کے دکھایئے۔ اِس وقت تو اصل زور اس پر ہونا چاہئے کہ آپ کے پاس قوم کی بہبود کا کیا پروگرام ہے؟ ع بر آور ہر چہ اندر سینہ داری! لیکن چونکہ بدقسمتی سے دونوں میں سے کسی کے پاس کوئی مثبت پروگرام نہیں ہے' دونوں ایک ہی نقطۂ نظر کے حامل ہو چکے ہیں' دونوں یکساں طور پر امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن چکے ہیں' اور اس وقت دونوں بہودیوں کے بنائے ہوئے عالمی معاشیاتی و اقتصادی نظام پر پورا پورا ایمان بالغیب رکھتے ہیں' جس کا سب سے بڑا ہتھیار سود ہے اور جس میں سب سے بڑی خوش آئند بات انہیں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی سرمایہ کاری نظر آتی ہے' تو معلوم ہوا کہ پروگرام کے اعتبار سے تو دونوں میں کوئی فرق ہے نہیں' لہٰذا صورت یہ پیدا ہو رہی ہے کہ ذاتیات پر کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔ بے نظیر نے بھی کہا ہے کہ ہم سکینڈلز سامنے لائیں گے اور نواز شریف نے بھی ان کے بارے میں پہلی بات "پاکستان توڑنے والی جماعت" کے نام سے کی ہے۔ حالانکہ پاکستان ٹوٹنے کا معاملہ بائیس برس پرانی بات ہے اور اگر یہ معاملہ کسی درجے میں تھا بھی تو وہ بے نظیر کے باپ سے متعلق تھا اور یہ تو

مستقبل کا مؤرخ ہی بتائے گا کہ آیا وہ معاملہ ایسا ہی تھا بھی یا نہیں۔

ابھی پچھلے دنوں میں نے خود نواز شریف صاحب کے اس بیان کی تعریف کی تھی کہ اب ہمیں ماضی وغیرہ کو بھول جانا چاہئے اور اس وقت حال کے حوالے سے بات کرنی چاہئے۔ آج ایک اخبار میں یہ تبصرہ شائع بھی ہوا ہے کہ ابھی چند روز پہلے آپ نے اس جماعت کو مفاہمت کی پیشکش کی تھی اور اس کی خاتون لیڈر کو آپ نے قومی اسمبلی کی فارن پالیسی کی کمیٹی کی چیئرپرسن بنایا تھا' لیکن اب پھر آپ کو اس کی پاکستان توڑنے والی بات یاد آگئی۔ اصل میں یہ منفی انداز ہے جس کا مظاہرہ دونوں طرف ہو رہا ہے۔ گویا ع "دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!" اس کی بجائے آپ مثبت طور پر اپنا اپنا پروگرام کھل کر پیش کریں۔ آپ کے پاس کیا اقتصادی پروگرام ہے؟ عوام کی بہبود کا کیا پروگرام ہے؟ اسے سامنے لائیں اور اس کے حوالے سے بات کریں۔ اور سارے کا سارا زور منشور (Manifesto) پر ہونا چاہئے نہ کہ ذاتیات اور کردار کشی پر۔ اب ماضی کے بخیئے ادھیڑنے سے کیا فائدہ؟ وہ تو جو ہو گیا سو ہو گیا۔ پاکستان دولخت ہو چکا اور اب سب اس کو ذہنی طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔ وہ معاملہ تو تاریخ کی زینت بن چکا ہے' وہ کوئی فوری مسئلہ نہیں ہے۔ پھر اِس وقت کی یعنی موجودہ پیپلزپارٹی وہ پیپلزپارٹی ہے ہی نہیں' یہ جو کچھ بھی ہے اُس وقت کی پیپلزپارٹی سے بہت مختلف ہے' نہ اس کا وہ نعرہ اب رہا ہے جو کبھی بھٹو نے لگایا تھا اور نہ سوشلزم نام کی کوئی شے اس کے پاس رہی ہے۔ کیمونزم کی موت واقع ہو جانے کے بعد اب کوئی سوشلزم کا نعرہ کس لئے لگائے گا؟ یہ تو مردہ گھوڑے کو چابک مارنے کے مترادف ہوگا۔ اس حوالے سے یہ ساری بحثیں اور اس وقت کے یہ سارے معاملات اب غیر متعلق ہو چکے ہیں۔ اب تو آپ یہ بتایئے کہ قوم کے لئے آپ کے پاس کیا پروگرام ہے؟ آپ کس نہج پر چلنا چاہتے ہیں؟ آپ قوم کو موقع دیجئے کہ وہ آپ کے پروگرام کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کرے۔ میں نے یہ بات بارہا کہی ہے۔ جس زمانے میں ضیاء الحق صاحب کی طرف سے غیر جماعتی انتخابات اور غیر جماعتی حکومت کا فلسفہ آیا تھا میں نے اسے غلط قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسلام میں پارٹیوں کا جواز موجود ہے۔ اور دراصل پارٹیوں کے حوالے سے عوام کی تربیت ہوتی ہے' یہ معاملہ عوام کی ذہنی تعلیم کا ذریعہ بنتا ہے۔ عوام کے سامنے پارٹیوں کے منشور آتے ہیں تو یہ چیز عوامی سطح پر لوگوں

کے اجتماعی شعور کو بلند تر کرنے کا ایک ذریعہ ہے لیکن اگر بات منشور کے حوالے سے نہیں بلکہ ذاتیات اور ماضی کے بکھیڑوں کے حوالے سے آئے گی تو ظاہر ہے کہ اس سے تو منفی جذبات ہی پروان چڑھیں گے' کوئی مثبت نتائج تو اس سے پیدا نہیں ہو سکتے۔

دو باتوں پر پیشگی مفاہمت

میری گفتگو کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ دو چیزوں پر پیشگی مفاہمت بہت ضروری ہے' جن میں سے ایک بدنام زمانہ آٹھویں ترمیم ہے۔ اس کے بعض پہلو اگرچہ بہت ضروری ہیں اور ان کو برقرار رکھنا چاہئے' کیونکہ وفاقی شرعی عدالت کا معاملہ اور قراردادِ مقاصد کا محض "راہنما اصول" (Directive Principal) کے بجائے دستور پاکستان میں ایک مؤثر دفعہ اور عملی ضابطہ (Operative Clause) کے طور پر داخل ہونا سب اس کے ذریعے سے ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو کلی طور پر ختم کرنا تو کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے' البتہ اس کا یہ پہلو کہ صدر صاحب کے ہاتھ میں جو اختیار ہے کہ وہ جب چاہیں اسمبلی توڑ دیں' واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام کے ساتھ قطعاً مناسبت نہیں رکھتا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارا مطمحِ نظر تو درحقیقت خلافت کا نظام ہے جسے ہم نے اپنے انقلابی منشور میں پیش کیا ہے اور صدارتی نظام چونکہ خلافت کے نظام سے قریب تر ہے لہٰذا ہم تو چاہتے ہیں کہ پارلیمانی نظام کی لعنت یہاں سے ختم ہو جائے' اس لئے کہ یہ یہاں برطانوی وراثت کے طور پر رائج ہے۔ برطانیہ کے لئے یہ نظام اس لئے ناگزیر ہے کہ ایک روایت پرست قوم ہونے کے ناطے اپنے بادشاہ یا اپنی ملکہ کو سروں پر اٹھائے رکھنا ان کی مجبوری ہے' کیونکہ انہوں نے جو انسانی چڑیا گھر (Human Zoo) بنا رکھے ہیں انہیں ان کو قائم رکھنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خواہ بکنگھم پیلس ہو یا ونڈسر پیلس' ان کی اصل حیثیت چڑیا گھروں ہی کی ہے جن کی سیر کے لئے انہوں نے ٹکٹ بھی لگا رکھے ہیں اور اس سے وہ کمائی کرتے ہیں۔ دراصل روایت پرستی اس قوم کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور وہ اپنے بادشاہ یا ملکہ کا سایہ اپنے سروں پر برقرار رکھنا چاہتے ہیں ورنہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اصل میں تو سارا اختیار وزیراعظم کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے وہاں پارلیمانی نظام میں بھی وہ دو عملی موجود نہیں ہے جو ہمارے ہاں ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں کوئی بادشاہ اور ملکہ تو ہے نہیں' اب کسی شخص کو "ہیڈ آف دی سٹیٹ" کہا جا رہا ہو تو

اس کا کچھ نہ کچھ خناس تو اس کے دماغ میں لازماً پیدا ہو گا اور اس کا کچھ نہ کچھ نشہ تو اس کو محسوس ہو گا۔ مزید یہ کہ اس کو سپریم کمانڈر بھی قرار دیا جائے۔ اب اس کے اور وزیراعظم کے درمیان توازن پیدا کرنا نظری طور (theoretically) ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں صدر مملکت یا تو فضل الٰہی چوہدری کی طرح صرف علامتی سربراہ بنا بیٹھا رہے گا اور اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی اور یا پھر وہ ضیاء الحق مرحوم اور غلام اسحٰق خاں کی طرح مختارِ مطلق بننے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا ہمارے نزدیک تو اس نظام کو ختم کرنا چاہئے۔ اور میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اِس وقت بھارت میں بھی پارلیمانی نظام کے خلاف بڑی زور دار آواز اٹھ رہی ہے اور وہاں بھی صدارتی نظام کا مطالبہ ہو رہا ہے۔

اپنے منشورِ خلافت کے حوالے سے ہم یہاں صدارتی نظام کے حق میں ہیں جو حقیقی مفہوم میں وفاقی ہونا چاہئے۔ یعنی اس میں صوبوں کو زیادہ اختیارات دیئے جانے چاہئیں اور وفاق تقریباً ہم وزن قسم کے UNITS کا ہونا چاہئے۔ ہمارے یہاں جو صوبائی تقسیم کی گئی ہے یہ بالکل غیر متوازن ہے' یہ انگریز کے بنائے ہوئے صوبے ہیں جنہیں ہم نے بہت مقدس سمجھ کر سینے سے لگا رکھا ہے۔ ہمارے نزدیک صوبوں کی مزید تقسیم ہونی چاہئے۔ چنانچہ اگر پنجاب کو چھ صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور سندھ کے تین یا چار صوبے بنا دیئے جائیں تو اس سے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ صوبائیت کی لعنت اگر ختم ہو گی تو اسی سے ہو گی۔ ہر کمشنری کو ایک صوبہ بنا دیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ان کو اختیارات بھی زیادہ دیئے جائیں۔ نئی صوبائی تقسیم میں جغرافیائی اور لسانی عوامل سمیت مختلف عوامل کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی زبان حرام نہیں اور عربی زبان کے سوا کوئی زبان مقدس نہیں۔ باقی سب زبانیں برابر ہیں۔ ہر ایک کو اپنی مادری زبان پسند ہے لہٰذا اس کو موقع دیجئے کہ وہ اپنی مادری زبان کو ترقی دے۔ ہاں' عربی کو آپ سرکاری زبان بنایئے جو سب کے لئے یکساں محترم ہے۔ جس زمانے میں ہمارے ہاں یہ سرکاری زبان کا مسئلہ اٹھا تھا تو سب سے بڑھ کر سندھی دانشوروں نے یہ رائے دی تھی کہ یہاں عربی کو سرکاری زبان بنا لیں' ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا' لیکن اگر آپ اردو کو سرکاری زبان بنائیں گے تو جس بچے کی مادری زبان اردو ہے وہ پڑھائی میں تیزی

سے آگے نکل جائے گا اور سندھی بچہ پیچھے رہ جائے گا' ہم پہلے ہی پسماندہ ہیں اور اس طرح پسماندہ کے پسماندہ ہی رہ جائیں گے۔ یہ ان کی دلیل تھی اور ایسا نہیں ہے کہ اس میں کوئی وزن نہ ہو۔ مزید برآں' یہ زاہد حسین مرحوم نے بھی کہا تھا اور سر آغا خان نے بھی کہا تھا کہ خدا کے لئے عربی زبان کو سرکاری زبان بنا لو! اگر اس وقت ہم نے ایسا کر لیا ہوتا تو آج یہاں ہر پڑھا لکھا آدمی عربی زبان جانتا ہوتا اور کم از کم اتنے لوگ تو عربی جاننے والے موجود ہوتے جتنے یہاں انگریزی جانتے ہیں۔ لیکن ہمارے اندر یہ سوچ پروان نہیں چڑھ سکی۔ ہمارے ہاں لوگوں نے اس سے کمتر چیزوں کو' مثلاً اپنے جماعتی' گروہی' نظریاتی اور علاقائی معاملات کو اولین ترجیحات میں رکھا۔ بہرحال ہمارے نزدیک تو یہاں صدارتی اور وہ بھی صحیح معنوں میں وفاقی نظام رائج ہونا چاہئے' جس میں صوبے چھوٹے ہوں۔ لیکن یہ تو خیر بعد کی بات ہے' یہ بات ہماری تحریکِ خلافت کے انقلابی منشور میں شامل ہے۔ اِس وقت اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ اگر پارلیمانی نظام موجود ہے تو اسے صحیح معنوں میں پارلیمانی بنایئے' اس کے مروّجہ مسلّمہ اصول بروئے کار لایئے' یعنی وزیراعظم کے پاس اختیار ہونا چاہئے۔ اس نظام میں صدر تو بس ایک علامتی سربراہ (Figure Head) ہوتا ہے جو ایک محترم شخصیت کی حیثیت سے خاص خاص تقریبات کے اندر نظر آئے' ورنہ اسے تو زیادہ منظرِ عام پر بھی نہیں آنا چاہئے۔ اس کا پارلیمانی نظام کے اندر جو کردار ہے اسے وہی ادا کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ پر مفاہمت ابھی ہو جانی چاہئے' اس لئے کہ ابھی تو یہ معلوم نہیں ہے کہ کون حکومت میں آئے گا اور کون اپوزیشن میں بیٹھے گا۔ یہ مناسب موقع ہے کہ تمام بڑی بڑی پارٹیاں اس معاملے پر مفاہمت کر لیں۔ ظاہر ہے کہ پھر وہ سب اس کی پابند ہوں گی اور بعد میں جو حکومت بنے اس میں چاہے کسی ایک پارٹی کو دو تہائی اکثریت حاصل ہو یا نہ ہو' اس معاملے میں دستور میں ترمیم کی جا سکے گی۔

اسی طرح دوسری شے فلور کراسنگ کا قانون ہے جس پر مفاہمت ضروری ہے۔ کسی زمانے میں یہ تجویز غلام اسحاق خان صاحب کی طرف سے آئی تھی' لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو حکومت قائم ہوتی ہے اسے خود ہارس ٹریڈنگ کرنی پڑتی ہے۔ اس طرح یہ موجودہ دور میں ایک ناگزیر برائی بن گئی ہے۔ اس لئے کہ لوگ جس طرح کے کردار کے حامل ہیں اور جو بھی ان کی دیانت کا عالم ہے وہ تو سب کو معلوم ہے۔ لہٰذا جو کوئی اقتدار میں ہوتا ہے وہ

دوسری پارٹیوں کے ارکان کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی فکر میں رہتا ہے' جبکہ اپوزیشن کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ حکومتی پارٹی کے ارکان کو توڑا جائے۔ اس حوالے سے یہ لوگ نہیں چاہتے کہ فلور کراسنگ کا قانون مؤثر ہو' یعنی ایک شخص جس پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ کر منتخب ہوا ہے اگر وہ اس پارٹی کو چھوڑتا ہے تو اس کی سیٹ ختم ہو جائے' لہٰذا اب اگر وہ اپنی پارٹی چھوڑے تو اس قیمت پر چھوڑے۔ اصل میں اس کا تعلق اسی منطق سے ہے کہ اگر آپ کسی منشور کی بنیاد پر منتخب ہو کر آئیں تو آپ کو بھی معلوم ہو گا کہ لوگوں نے ووٹ آپ کی پارٹی کو اور اس کے منشور کو دیا ہے' آپ کو ذاتی حیثیت میں نہیں دیا۔ اب آپ اگر پارٹی چھوڑ رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس منشور کو چھوڑ رہے ہیں' لہٰذا اب آپ کے پاس اسمبلی میں بیٹھنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہو گا۔ اس حوالے سے اس قانون پر سختی سے عملدر آمد ہونا چاہئے۔ اس پر بھی مفاہمت ابھی ہو جانی چاہئے' کیونکہ ابھی تو معلوم نہیں کہ کل کس کو ہارس ٹریڈنگ کی ضرورت ہو گی اور کس کو نہیں ہو گی۔ اس حوالے سے اگر یہ دونوں چیزیں اسی وقت متفقہ طور پر طے ہو جائیں تو اس سے مستقبل میں ہمارے سیاسی کلچر کے لئے بہتری کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

البتہ اس میں یہ بات بھی شامل ہونی چاہئے کہ جو بھی انتخابی اتحاد (الائنس) بنیں وہ پارٹی شمار ہونے چاہئیں۔ مثال کے طور پر آئی جے آئی اگر ایک الائنس تھا تو اس کی ٹکٹ پر انتخاب میں کامیاب ہونے والوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان میں سے اگر کوئی آئی جے آئی کو چھوڑتا تو وہ اپنی سیٹ بھی فوری طور پر چھوڑ دیتا۔ چنانچہ جماعت اسلامی اگر آئی جے آئی سے علیحدہ ہوئی تھی تو اسے اخلاقی طور پر یہ چاہئے تھا کہ اپنی اسمبلی کی سیٹوں کو بھی خیرباد کہہ دیتی۔ اسی طرح جے یو آئی علیحدہ ہوئی تھی تو اسے بھی یہی چاہئے تھا' اس لئے کہ جو ووٹ دیئے گئے تھے وہ آئی جے آئی کو دیئے گئے تھے' نہ مسلم لیگ کو دیئے گئے تھے' نہ جے یو آئی کو اور نہ جماعت اسلامی کو۔ اس حوالے سے اب بھی اگر الائنس بنیں تو اس فلور کراسنگ کے قانون کے اعتبار سے ہر الائنس کو ایک پارٹی شمار ہونا چاہئے کہ اس سے کوئی منتخب رکن علیحدہ ہوتا ہے تو وہ اپنی سیٹ سے بھی محروم ہو جائے۔

مذہبی جماعتوں کا کردار کیا ہو؟

میری گفتگو کا آخری حصہ مذہبی جماعتوں سے متعلق ہے۔ اِس وقت مذہبی جماعتوں کے بارے میں کل کی صورت حال اور آج کی صورت حال میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے۔ کل تو بڑی خوش آئند خبر آئی تھی اور بڑے متضاد قسم کے لوگ بھی بڑے کھلے ہوئے چہروں کے ساتھ' ہنستے ہوئے ساتھ بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ پھر مسجد شیرانوالہ میں بھی سب کے سب جمع تھے تو اس پر بہت خوشی ہوئی اور ایسا محسوس ہوا کہ واقعتاً اس ملک کے لئے مشیتِ ایزدی میں کوئی بہت بڑی خیر طے ہو گئی ہے۔ میں نے رات اپنے رفقاء کے اجلاس میں کہا تھا کہ اس ملک میں اگر ایسا ہو جائے تو یہ اسی طرح کا معجزہ ہو گا جیسے کہ میں قیامِ پاکستان کو معجزہ کہتا ہوں' کیونکہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ دنیا کے عام مروّجہ سیاسی اصول اور پولیٹیکل سائنس کے اساسی نظریات کے اعتبار سے پاکستان کا قیام یوں نظری اور منطقی طور پر صحیح ثابت ہوتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ قائداعظم نے کیبنٹ مشن پلان کو تسلیم کر لیا تھا اور اس طرح گویا خود فوری تقسیم سے دستبردار ہو گئے تھے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خطۂ ارضی عطا فرما دیا کہ لو' تم ایک آزاد پاکستان لو! **فَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ** پھر ہم دیکھیں گے کہ تم کرتے کیا ہو؟ اسی طرح اگر ہمارے ہاں کی مذہبی جماعتیں یکجا ہو جاتیں تو یہ بھی ایک معجزہ ہوتا۔ لیکن آج کی جو خبریں ہیں ان پر تو سوائے **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن** پڑھنے کے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ایک ہی دن میں صورت حال ایسی بدل گئی' اگرچہ ابھی مجھے توقع ہے کہ یہ پھر یکسر بدل سکتی ہے' جیسا کہ پیرس کے فیشن کے بارے میں لطیفہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے لئے تازہ ترین فیشن کا لباس خرید کر دوڑتا ہوا گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ ایسی کیا آفت ہے' دوڑتے ہوئے کیوں جا رہے ہو' اس نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ فیشن کے بدلنے سے پہلے پہلے گھر جا کر اپنی بیوی کو یہ لباس پہنا دوں' اس لئے کہ کچھ پتہ نہیں اگلے گھنٹے فیشن کونسا ہو گا۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ہماری مذہبی سیاسی جماعتوں کے اتحاد اور افتراق کا ہے ع "کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں!" تاہم مآل کار کے اعتبار سے نظریہ آ رہا ہے کہ ع "وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے!" کے مصداق آئندہ بھی اس میں سرِمو فرق کی کوئی توقع نہیں ہے۔ بہرحال ہماری دعا ہے کہ اس میں بہتری پیدا ہو

جائے اور اگرچہ ؎

"تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے"

کے مصداق دعا تو ہمیں بہرحال کرنی چاہئے بلکہ انگریزی محاورہ "امید کے خلاف امید" (Hoping against hope) کے مصداق چاہے آپ کو بظاہر احوال کوئی امید نظر نہ آرہی ہو پھر بھی اللہ سے دعا کیجئے' اللہ کو تو کامل اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا اندیشہ تو یہی ہے کہ وہی حال ہو گا کہ ضمیمے بنیں گے' ان میں سے کوئی اِدھر اور کوئی اُدھر ہو گا۔ یہ صورت آج کی خبروں کے آئینے میں بھی نظر آرہی ہے' لیکن چونکہ یہ معلوم نہیں کہ آیا آج کی خبر بھی آخری ہے۔ اس لئے کہ میرے نزدیک تو یہ توڑ پھوڑ اور جوڑتوڑ بہت آخری وقت تک جاری رہیں گے' یہاں تک کہ انتخابی نشان الاٹ ہو جائیں اور یہ فیصلہ ہو جائے کہ اب تو اس حوالے ہی سے ووٹ ڈالے جانے ہیں۔ اندیشہ یہی ہے کہ حسبِ سابق ہماری مذہبی جماعتیں مخالف کیمپوں میں جا کر ان کے ضمیمے بن جائیں گی۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہمارے سیاسی میدان میں مذہبی جماعتوں کی حیثیت محض ضمیموں اور پاسنگ کی ہے اور اصل قوتیں وہی جاگیردار' زمیندار اور سرمایہ دار ہیں' جو اِدھر بھی وہی ہیں اور اُدھر بھی وہی ہیں۔ مزید برآں وہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن ان کے بہرحال دو دھڑے بن چکے ہیں' ایک پیپلزپارٹی اور دوسرا اینٹی پیپلزپارٹی' جو کبھی آئی جے آئی کا روپ دھار لیتا ہے اور کبھی کوئی اور نام اختیار کر لیتا ہے' اور جس کے بارے میں مَیں نے کہا ہے کہ اب اس کو مسلم لیگ ہونا چاہئے۔ اور یہ موقع ایسا ہے کہ اس پر از سرِنو ہمت اور خود اعتمادی کے ساتھ قدم اٹھایا جانا چاہئے اور جو لوگ بھی مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد کرنا چاہتے ہوں انہیں چاہئے کہ وہ اس میں شامل ہوں۔ وہ بھلا اس کا ڈسپلن کیوں قبول نہیں کرتے؟ میں نے ابھی مثالیں دی ہیں کہ آخر مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا ظفر احمد عثمانی' مولانا داؤد غزنوی' مولانا عبدالحامد بدایونی اور پیر جماعت علی شاہ رحمہم اللہ جیسے عظیم لوگ مسلم لیگ میں شامل تھے تو آخر آج کے علماء کے لئے کیا رکاوٹ ہے کہ وہ اس میں شامل نہیں ہو سکتے؟ کیا اس سے ان کی حیثیتِ عرفی میں کوئی فرق واقع ہو جاتا ہے یا کوئی کمی آجاتی ہے؟ بہرحال اگر مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوں گے تو یہ مختلف

جمعیتیں جو دو دو دھڑوں میں منقسم ہیں' مثلاً جمعیت علماء اسلام' جمعیت اہل حدیث اور جمعیت علماء پاکستان وغیرہ' ان میں سے کوئی دھڑا اِدھر ہو گا تو کوئی اُدھر۔ یہ تو اندیشہ ہے' لیکن دعا ہے کہ اللہ کرے یہ یکجا ہو جائیں۔ کچھ تھوڑی سی امید اس حوالے سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ انہیں بہت سے سبق حاصل ہو چکے ہیں' لہٰذا شاید وہ اس سے کوئی بہتر شکل اختیار کر لیں۔

اس صورت میں میں تین باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

(i) اگر یہ تمام جماعتیں یعنی جماعت اسلامی' جمعیت علماء اسلام (مولانا فضل الرحمٰن گروپ)' جمعیت علماء پاکستان (مولانا نورانی گروپ) اور جمعیت اہل حدیث (میاں فضل حق اور پروفیسر ساجد میر والی) یکجا ہو جائیں تو ہماری طرف سے یہ اعلان ہے کہ ہم ان کی پوری تائید کریں گے اور کوشش کریں گے کہ ان لوگوں کا امیج بھی بنے' بشرطیکہ یہ مضبوط اور منظم رہیں اور واقعتاً ایسا اتحاد کریں جو کم از کم الیکشن کی حد تک ایک پارٹی کے درجے میں ہو۔ یہ اپنی اپنی جماعت کی حیثیت برقرار رکھیں لیکن انتخابی نقطۂ نظر سے ایک پارٹی بن کر کام کریں۔ اس صورت میں ہماری جو بھی تھوڑی سی عددی اور افرادی قوت ہے اس کے اعتبار سے ہم پوری کوشش کریں گے کہ جو اخلاقی تائید بھی ممکن ہو وہ ہم ان کو بہم پہنچائیں۔ اگرچہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس سے اسلام کا کوئی خاص کام نہیں ہو سکتا' لیکن پھر بھی بہرحال یہ بہت بڑی بات ہو گی اگر یہ تمام جماعتیں جمع ہو جائیں۔ اس کے باوجود اگر اس ملک میں ان کا حال پتلا رہے تو گویا پوری دنیا کے سامنے یہ بات آ جائے گی کہ اس ملک میں مذہب کا اصل اثر و نفوذ بہت کم ہے۔ اس حوالے سے اس پلڑے کے اندر جس درجے میں بھی ممکن ہو ہم اخلاقی تائید کا وزن ڈالیں گے۔

(ii) مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے ضمن میں میں نے جمعیت علماء اسلام' جمعیت علماء پاکستان اور جمعیت اہل حدیث کے صرف بڑے دھڑوں کا تذکرہ کیا ہے' کیونکہ میرے نزدیک ان کے چھوٹے دھڑوں کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔ اور میرا مشورہ ہے کہ جمعیت علماء اسلام (مولانا سمیع الحق گروپ)' جمعیت اہل حدیث (مولانا معین الدین لکھوی گروپ) اور جمعیت علماء پاکستان (مولانا نیازی گروپ) جیسے چھوٹے چھوٹے دھڑوں کو اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہئے۔ اپنے

بارے میں ہمارا یہ مستقل فیصلہ ہے کہ ہم انتخابی میدان میں کبھی نہیں کودیں گے' البتہ جیسا کہ میں نے عرض کیا اگر جماعت اسلامی اور تینوں دوسری بڑی مذہبی جماعتیں یکجا ہو جائیں' جس کی امید اگرچہ بہت کم ہے' تو ہماری طرف سے یہ پیشکش ہے کہ ہم ان کی حتی الامکان تائید کریں گے۔

(iii) پھر ان سے بھی ہماری گزارش یہ ہے کہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر وہ اصل زور مینی فیسٹو پر دیں۔ صرف اسلام کا نعرہ تو درحقیقت اس ملک میں اب ویسے بھی کھوٹا سکہ بن چکا ہے' آپ اس کو اور زیادہ کھوٹا نہ کریں اور اس کی حیثیت کو اور زیادہ نہ گرائیں۔ بلکہ آپ کو چاہئے کہ ملکی مسائل کے بارے میں کھل کر بات کریں' خاص طور پر معاشی اور سماجی اعتبارات سے کھل کر بات ہونی چاہئے۔ محض عریانی و فحاشی کے خلاف وعظ کہنے کی بجائے واضح کریں کہ آپ اس ضمن میں کن کن چیزوں پر پابندی لگائیں گے۔ صاف صاف بتائیے کہ کیا واقعتاً آپ پی آئی اے میں ایئر ہوسٹسز کے وجود کو صحیح سمجھتے ہیں؟ کیا یہ شریعت کی رُو سے جائز ہے؟ اس لئے کہ جب تک ان معاملات پر بات واضح نہیں ہو گی اس وقت تک عوام کے اندر کوئی نیا جذبہ ابھر ہی نہیں سکتا۔ "اسلام کا نفاذ" تو ایک مبہم سا نعرہ اور مبہم سا سلوگن ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا سماجی سطح پر بھی واضح طور پر کھل کر بات ہونی چاہئے اور اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ معاشیات کا ہے۔ واضح طور پر کہیں کہ ہم بینک کے سود کو ختم کریں گے۔ صاف صاف بتائیں کہ ضیاء الحق صاحب کے دور میں جس چیز کو مارک اپ کا نام دیا گیا تھا وہ آپ کے نزدیک سود ہے یا نہیں؟ اگر یہ سود ہے تو آپ اس کو ختم کریں گے یا نہیں؟ پھر Hire Purchase اور مضاربہ کا جو نظام اِس وقت قائم ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہ ساری چیزیں بالکل واضح ہونی چاہئیں کہ یہ شریعت کی رو سے جائز ہیں یا نہیں؟

پھر اسی طرح جاگیرداری اور زمینداری کا معاملہ ہے۔ مبہم طور پر یہ کہہ دینا کہ ہم زمینداری کی حد متعین کر دیں گے کہ اس سے زیادہ رقبہ کسی کے پاس نہ ہو کافی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ جس سے اس کی زمین لیں گے کس اصول سے لیں گے جبکہ سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کا یہ فیصلہ ہے کہ آپ کسی سے اس کی ملکیت میں سے ایک انچ زمین بھی نہیں لے سکتے۔ یا تو آپ ثابت کیجئے کہ یہ اس کی ملکیت نہیں ہے تب تو

آپ پوری کی پوری زمین اس سے لے سکتے ہیں' لیکن اگر آپ یہ ثابت نہیں کر سکتے تو آپ اس سے اس کی زمین کیسے لے سکتے ہیں؟ قانونی طور پر تو کسی چیز پر کسی شخص کا قبضہ گویا اس کا سب سے بڑا حق ہے اور قابض شخص کو یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ میرا جائز قبضہ ہے' البتہ آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ اس کا قبضہ ناجائز ہے' تبھی آپ اس سے کوئی شے وصول کر سکتے ہیں' ورنہ نہیں کر سکتے۔ اس اعتبار سے بڑی شدید ضرورت ہے کہ دینی جماعتوں کو ان چیزوں پر اپنا موقف بالکل CLEAR CUT انداز میں یعنی واضح طور پر پیش کرنا چاہئے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ جمعیت علماء اسلام کے منشور میں یہ درج ہے کہ مزارعت کے بارے میں فقہ حنفی نے جو اصول دیئے ہیں اور اس پر جو شرائط اور حدود و قیود عائد کی ہیں اول تو ہم ان کو روبہ عمل لائیں گے' اگر ان کے ذریعے انصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہوں تو فبہا' ورنہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر عمل پیرا ہوں گے۔ ہمارے نزدیک تو اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہے ہی نہیں کہ اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر عمل پیرا ہوا جائے۔ یعنی پاکستان کے تمام علاقے چونکہ ایک نہ ایک وقت میں بزورِ شمشیر فتح ہوئے تھے لہٰذا یہاں کی تمام زمینیں خراجی ہیں' عشری ہیں ہی نہیں۔ لہٰذا یہ کسی کی ملکیت نہیں ہیں۔ اور جب یہ کسی کی ملکیت نہیں تو خواہ کسی کے پاس ایک ایکڑ زمین ہے وہ بھی اس کا مالک نہیں ہے اور خواہ کسی کے پاس سو مربعے ہیں تو وہ بھی اس کی ملکیت نہیں۔ چنانچہ اب آپ اِس ملک کے اجتماعی مصالح کے اعتبار سے اور اس کے عوام کی بہبود کے اعتبار سے ایک بالکل نیا بندوبستِ اراضی تجویز کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ نہیں کہ جس کے پاس سو مربعے ہیں اسے آپ بالکل محروم کر دیں' بلکہ ایک قطعۂ زمین اس کے پاس بھی رہنا چاہئے جو اس کے لئے ذریعۂ معاش بنے اور باقی آپ بے زمین کاشتکاروں کو دیجئے۔ صرف کچے کی زمینیں ہاریوں میں بانٹنے سے تو کام نہیں بنے گا' اس سے کوئی عظیم انقلاب برپا نہیں ہو جائے گا' اگرچہ ہمارا جاگیردار تو اس کو بھی پسند نہیں کرتا۔ ہاری کو اگر ذرا سا سانس لینے کا موقع بھی مل گیا تو ان کے اقتدار و اختیار اور سیاسی اثر و رسوخ کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ لیکن اگر اللہ کرے کہ یہ چاروں مذہبی جماعتیں یعنی دیو بندی' بریلوی اور اہل حدیث جمعیتوں کے بڑے دھڑے اور جماعت اسلامی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں' اور دعا کیجئے کہ ایسا

ہو جائے، تو اس رخ پر کسی پیش رفت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں انہیں ہماری تائید بھی حاصل ہوگی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ انہی کو ووٹ دے کر کامیاب بنائیں۔ لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ، جیسا کہ میں نے عرض کیا، یہ اپنے انتخابی منشور میں ملک کو درپیش مسائل کا حل واضح طور پر پیش کریں اور محض اسلام کے نعرے پر ووٹ لینے کی کوشش نہ کریں۔

اصل سہ نکاتی لائحہ عمل

باقی جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہمارا یعنی تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کا اصل کام وہی سہ نکاتی لائحہ عمل ہے جو سورۂ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ میں بیان ہوا۔ آیت ۱۰۲ میں پہلے نکتے کا بیان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝

"اے اہل ایمان، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور دیکھو تمہیں ہرگز موت نہ آنے پائے مگر فرمانبرداری کی حالت میں!"

اور چونکہ موت کی کوئی گارنٹی نہیں، ہو سکتا ہے کہ عین اسی لمحے آ جائے، ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا ہو اور اس کے دوران ہی اسے موت آ جائے، لہٰذا اگر طے یہ کرنا ہے کہ میں ہرگز نہیں مروں گا مگر فرمانبرداری کی حالت میں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا کوئی لمحہ نافرمانی میں نہیں گزرنا چاہئے۔ جب تک ہم انفرادی سطح پر یہ کڑوی گولی حلق سے نہیں اتاریں گے اور اپنی معاشرت اور اپنی معیشت کو حرام سے پاک نہیں کریں گے ہم اجتماعی سطح پر اصلاح کا کام انجام نہیں دے سکیں گے۔ اگر ہم خود اللہ کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوں گے اور انفرادی سطح پر ہماری اپنی اصلاح نہیں ہوگی تو اجتماعی سطح پر کوئی خیر برآمد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا پاکستان کا بہتر مستقبل اور اس کا اصل استحکام اس مرحلے کو سر کئے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کام وہ ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو انفرادی سطح پر کرنا ہے، یعنی خود اپنے آپ کو بدلنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

"یقیناً اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدلنے پر تیار نہیں ہوتی"۔

تو جب تک اپنے آپ کو نہیں بدلو گے اللہ تمہاری حالت نہیں بدلے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے صاف فرما دیا: **اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ** یعنی تمہارے اپنے اعمال ہی تمہارے اوپر عامل اور حاکم بنا دیئے جاتے ہیں۔ یہی مضمون ایک دوسری روایت میں بھی آیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **کَمَا تَکُوْنُوْنَ کَذٰلِکَ یُؤَمَّرُ عَلَیْکُمْ** یعنی جیسے تم خود ہو گے ویسے ہی تم پر امراء مسلّط ہوں گے۔ تو پہلا نکتہ تو یہ ہے جس پر جتنا زور دیا جائے کم ہو گا کہ ہمیں تقویٰ اور فرماں برداری کا مرحلہ بہرصورت طے کرنا ہے اور ہم میں سے ہر شخص کو یہ سیڑھی چڑھنی ہو گی۔

اس سے اگلی آیت (۱۰۳) میں دوسرا نکتہ بیان ہوا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور دیکھو تفرقے میں مبتلا نہ ہو جاؤ!"

یعنی اس کے بعد نظم کی ضرورت ہے' ایک مضبوط جمعیت اور ایک منظم جماعت کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ملی اور قومی اعتبار سے بھی اتحاد ضروری ہے لیکن سب سے بڑھ کر ان متقی اور فرماں بردار لوگوں کو متحد کرنے کی ضرورت ہے جو مذکورہ بالا پہلے نکتہ پر عمل پیرا ہو چکے ہوں' کیونکہ ان میں سے ہر شخص ایک اینٹ کی مانند ہے اور اب ان اینٹوں کو جوڑ کر عمارت بنانی ہو گی۔ اس عمارت میں ان اینٹوں کو جوڑنے والا گارا چونا (Cement Substance) اگر مضبوط نہیں ہو گا تو اینٹیں خواہ اپنی جگہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں' عمارت کمزور رہ جائے گی۔ لہٰذا ان کے مابین جمعیت کی قوت مستحکم ہونی چاہئے۔ تو یہ ہے تنظیم' اجتماع اور اتحاد جس سے سہ نکاتی لائحہ عمل کا دوسرا نکتہ عبارت ہے: **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور باہم ٹکڑے ٹکڑے نہ ہونا!" ---- یعنی جمع ہو جاؤ' متحد ہو جاؤ' حزب اللہ بنو اور اللہ کی رسی یعنی قرآن کو مل جل کر مضبوطی سے تھام لو۔ یہ تمہارے اتحاد کی اصل بنیاد ہے۔ اور جان لو کہ **یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ** (جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے' اللہ کی تائید اور نصرت جماعت کے ساتھ ہے) **عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ** (تم پر التزام جماعت ضروری ہے) اور **لَا اِسْلَامَ**

اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ (جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے) ------ لہٰذا متحد اور منظم ہو کر جماعت کی شکل اختیار کرو' سمع و طاعت کے نظم والی جماعت بنو!

قرآن حکیم کا یہ مقام اس اعتبار سے بڑا عجیب ہے اور میں نے کئی مرتبہ عرض کیا ہے کہ یہاں تین آیات میں تین نکتے بیان ہوئے ہیں' ان میں سے آخری آیت پھر تین نکات پر مشتمل ہے جن میں سے آخری نکتے کے پھر تین درجے ہیں۔ چنانچہ تیسرا نکتہ یہ بیان فرمایا گیا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

"اور تم میں ایک جماعت تو ایسی لازماً ہونی چاہئے جو خیر کی طرف دعوت دے' اور بھلے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے"

یعنی یہ جو جمعیت وجود میں آئے گی اسے تین کام کرنے ہوں گے :(i) دعوت الی الخیر (ii) امر بالمعروف اور (iii) نہی عن المنکر ------ پہلا یہ کہ خیر کی طرف بلاؤ! اور سب سے بڑا خیر خود قرآن مجید ہے' چنانچہ اس سے اصلاً مراد ہے کہ قرآن کی طرف بلاؤ۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

"جس نے بھی اس (قرآن) کی طرف (لوگوں کو) بلایا (کسی اور کو ہدایت حاصل ہو یا نہ ہو) وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت پا گیا۔"

گویا اس کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے گارنٹی شدہ ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ ہیں کہ "هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" اور اللہ کے رسولؐ کا فرمان گویا کہ اللہ کا فرمان ہے ع "گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود!" اور قرآن حکیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ" یعنی تم دنیا میں جو کچھ مال و اسباب اور دولت جمع کر رہے ہو ان سب سے بڑھ کر قیمتی شے یہی ہے۔

دوسرا کام یہ کہ امر بالمعروف کرو' یعنی نیکی کا حکم دو! اور تیسرا یہ کہ نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دو' لوگوں کو برائیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرو! اس تیسری بات کے پھر تین درجے ہیں جو حدیث میں آئے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

مَن رَاٰی مِنکُم مُنکَرًا فَلیُغَیِّرہُ بِیَدِہٖ، فَاِن لَم یَستَطِع فَبِلِسَانِہٖ، فَاِن لَم یَستَطِع فَبِقَلبِہٖ، وَذٰلِکَ اَضعَفُ الاِیمَانِ (رواہ مسلم)

"جو کوئی بھی تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اسے بدلے! اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس برائی کو روکے!) اور اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو اپنے دل سے! اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

یہاں "نہی عن المنکر" کے تین درجوں کا ذکر ہے۔ فرمایا کہ تم میں سے جو شخص بھی کسی برائی کو، کسی بدی کو دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ قوت اور طاقت سے اس کو روک دے۔ اگر اس کی ہمت اور استطاعت نہیں تو زبان سے روکے۔ اگر اس کی بھی ہمت نہیں یا حالات سازگار نہیں، زبانوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہوں، حق بات کہنے پر زبانیں کھینچ لی جاتی ہوں تو دل سے تو برائی سے نفرت رکھے۔ اور اس تیسرے درجے کو ایمان کا کمزور ترین درجہ قرار دیا گیا۔ اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث میں آخری الفاظ کچھ اس طرح آئے ہیں: "**وَلَیسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الاِیمَانِ حَبَّۃُ خَردَلٍ**" یعنی "اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی موجود نہیں ہے۔"

تو یہ جو جمعیت وجود میں آئی ہے اگر اس کے پاس طاقت کافی نہ ہو یا ابھی خام ہو، پختہ نہ ہو، ابھی اس کے وابستگان سمع و طاعت کے خوگر نہ ہوئے ہوں، ابھی سرفروشی کے لئے پورا جذبہ پیدا نہ ہوا ہو تو مستحکم ہونے تک اسے نہی عن المنکر بِاللّسان کرتے رہنا ہے۔ یعنی برائی کو برملا برائی کہو! کہو کہ یہ حرام ہے، یہ غلط ہے، یہ ناجائز ہے، اس سے باز آجاؤ! برائی کے ساتھ مداہنت کر کے گونگے شیطان تو مت بنو! ایسا تو نہ ہو کہ حرام کو دیکھو اور یہ بھی نہ کہو کہ یہ حرام ہے، کیونکہ ووٹ لینے ہیں۔ پھر پچاس فیصد ووٹ تو خواتین کے ہیں اور آپ انہیں ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ یہ بات مجھ سے ضیاء الحق صاحب نے ۵ جولائی ۱۹۸۲ء کو کہی تھی اور یہ معاملہ میرے سینے پر لکھا ہوا ہے۔ میں نے جب ان سے کہا کہ یہ آپ اپنے ماتھے پر کیا کلنک کا ٹیکہ لئے پھر رہے ہیں کہ آپ نے خود شریعت کورٹ بنائی ہے اور اس میں اپنے ان چنیدہ علماء کو رکھا ہے جن پر آپ کو اعتماد ہے اور جنہیں آپ سمجھتے ہیں کہ صاحب علم و فہم ہیں اور دیانتدار اور مخلص ہیں، اور اس سب کے باوجود ان کے بھی آپ نے ہاتھ باندھ دیئے کہ عائلی قوانین پر بھی وہ کوئی

بات نہیں کر سکتے' تو یہ کیا تضاد ہے؟ کیا آپ کو ان پر اعتماد نہیں ہے؟ اُس وقت تک چونکہ غلام احمد پرویز زندہ تھے جو ان عائلی قوانین کے اصل مصنّف تھے' اور وہ چونکہ مرکزی حکومت کے ایک محکمہ کے ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے اور حکومتی حلقوں میں ان کا اچھا اثر و رسوخ تھا لہٰذا انہوں نے ایوب خان کے ذریعے انہیں نافذ کرا لیا تھا۔ تو میں نے ضیاء الحق صاحب سے کہا کہ غلام احمد پرویز زندہ ہیں' وہ عدالت میں آئیں اور ثابت کریں کہ یہ قوانین شریعت کے خلاف نہیں ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں کہتا ہوں آپ وہ کریں۔ اس کے جواب میں ضیاء الحق صاحب نے صرف ایک جملہ کہا کہ "پھر ان عورتوں کو کون مطمئن کرے گا؟" اس پر میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ کی سوچ یہی ہے تو میرا راستہ آپ سے علیحدہ ہے' آپ کی مجلس شوریٰ سے میرا یہ استعفاء حاضر ہے۔

افسوس کہ ہمارے مذہبی قائدین بھی ان معاملات میں دین کی بات کھل کر کہنے کو تیار نہیں ہوتے' اس لئے کہ انہیں بھی ووٹ چاہئیں' اور ووٹ خواتین کے بھی ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ گونگے شیطان بن جانے والا معاملہ ہے کہ آپ حرام کو حرام بھی نہ کہیں' منکر کو منکر کہہ بھی نہ سکیں۔ بہرحال نہی عن المنکر کا یہ دوسرا درجہ ہے کہ زبان سے یہ فریضہ ادا کرتے رہو جب تک کہ طاقت کافی نہ ہو۔ جب طاقت کافی ہو جائے تو میدان میں آجاؤ اور اس سسٹم کو بلاک کر دو کہ ہم یہ نہیں چلنے دیں گے' اس حرام کا وجود ہمیں گوارا نہیں ہے' یا ہم نہیں یا یہ نہیں! ---- یہ ہے چند جملوں کے اندر وہ انقلابی تصور جس کے سوا کوئی راستہ یہاں انقلاب لانے کا نہیں ہے۔ ہمارا تو یہ مستقل لائحہ عمل ہے جس پر ہم عمل پیرا رہیں گے' ہماری ساری قوتیں اسی کے لئے ہیں ---- البتہ اگر یہ معجزہ ہو جائے کہ یہ متذکرہ بالا چار جماعتیں جمع ہو جائیں تو انہیں ہماری تائید حاصل ہو گی اور ہم انہیں جو بھی تقویت پہنچا سکیں گے ان شاء اللہ پہنچائیں گے۔ اگرچہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس سے یہاں کوئی بہت بڑی تبدیلی نہیں آجائے گی لیکن بہرحال اگر اسلام کے نام پر یہ اتحاد بن جائے تو پھر اس کا یہ حق ہو گا کہ اس کی تقویت کا سامان ہر مسلمان جس درجے میں بھی کر سکتا ہو کرے۔ البتہ ہماری اصل قوت اور توانائیاں اسی انقلابی عمل کے لئے وقف رہیں گی۔ **اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ** ----!!

منہج انقلاب نبویؐ

انقلابی تربیت کا نبویؐ طریق

ڈاکٹر اسرار احمد

کسی انقلابی نظریئے یا فلسفے کی دعوت اور نشرواشاعت' اور پھر جو لوگ اسے شعوری طور پر قبول کرلیں انہیں ایک مضبوط تنظیمی سلسلے اور جماعتی نظم میں منسلک کرنے کے بعد کسی بھی انقلابی جدوجہد کا تیسرا مرحلہ کارکنوں کی تربیت یا کاڈرز (Cadres) کی ٹریننگ کا ہوتا ہے جس کی اہمیت کو علامہ اقبال نے تو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو!

اور ان کے مرشد معنوی اکبر الٰہ آبادی نے یوں بیان کیا ہے کہ ۔

تو خاک میں مل اور آگ میں جل' جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ' تعمیر نہ کر!

اس سلسلے میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جو کسی بھی انقلابی تربیت کے لئے لازمی اور لابدی ہیں' خواہ پیشِ نظر انقلاب خالص دنیوی اور سیکولر ہو' خواہ دینی اور مذہبی۔ اور بعض امور وہ ہیں جو اضافی طور پر اسلامی انقلاب کے لئے لازمی ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی انقلاب صرف دنیوی اور مادی نہیں ہوتا بلکہ اس میں روحانی عنصر اور اخلاقی اقدار بھی اجزائے لاینفک کی حیثیت سے شامل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ان کا مناسب اہتمام کارکنوں کی تربیت کے مرحلے میں نہ کیا جائے تو محض انقلابی جذبہ اور

محنت و مشقت اور ایثار و قربانی کا مادہ، جو کسی دنیوی انقلاب کے لئے مؤثر ہی نہیں فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے، اسلامی انقلاب کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ذرا غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ عہد حاضر کی اکثر اسلامی تحریکوں کی ناکامی کا سبب کارکنوں کی تربیت کے ان دو لازمی اجزاء کے مابین عدم توازن ہی ہے۔ چنانچہ بالعموم یا تو پلڑا بھاگ دوڑ، چلت پھرت، ٹیپ ٹاپ، دھوم دھڑکے، اور جلسہ و جلوس کی جانب جھک جاتا ہے جس کے نتیجے میں اخلاقی اور روحانی عنصر دب کر رہ جاتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے، یا بصورت دیگر روحانیت اور عبادات کی جانب اس درجہ جھکاؤ ہو جاتا ہے کہ انقلاب کے دوسرے تقاضے مجروح ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے جہاں بیسویں صدی عیسوی کی اکثر احیائی اور انقلابی تحریکوں کی ناکامی کا اصل سبب مقدم الذکر عدم توازن ہے، وہاں امت کے عمومی جمود اور تعطل کا بنیادی سبب مؤخر الذکر تصور ہے۔ اور ایک طویل تاریخی پس منظر کے باعث یہ خطرہ بھی وہمی اور خیالی نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی ہے کہ کسی اسلامی انقلابی تحریک کے نظامِ تربیت میں روحانی پہلو پر لازمی اور ناگزیر حد تک زور دینے کا نتیجہ بھی مؤخر الذکر عدم توازن کی صورت میں ظاہر ہو اور اس طرح انقلاب کی راہ مسدود اور منزل کھوٹی ہو جائے!

اس کا سبب یہ ہے کہ اسلامی انقلابی تربیت کے اضافی روحانی اجزاء میں جزوی اور ظاہری مشابہت خانقاہی نظام تزکیہ و تربیت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ تاریخ اسلام کی پہلی ہی صدی میں یہ حادثہ پیش آگیا تھا کہ خلافتِ راشدہ کے خاتمے اور ملوکیت کے آغاز کے بعد جو چند کوششیں "گردشِ ایام" کو پیچھے کی طرف لوٹانے اور دوبارہ کامل نظامِ خلافت قائم کرنے کے لئے ہوئیں ان کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت "مجبوراً" خانقاہی طرز پر ڈھلتا چلا گیا اور اس میں سے "انقلابی" عنصر کم ہوتے ہوتے بالآخر معدوم ہو کر رہ گیا۔ مزید برآں صدیوں کے تعامل کے نتیجے میں یہ خانقاہی نظام تربیت و تزکیہ ہی اپنے جملہ اصول و مبادی اور تمام عملی طور طریقوں سمیت مسلمانوں کے خواص و عوام سب کے قلوب و اذہان میں واحد طریقِ

تربیت کی حیثیت سے راسخ ہوتا چلا گیا۔ لہٰذا روحانی عنصر پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کے نتیجے میں مسلمانوں کی خاکستر میں "خانقاہیت" کی دبی ہوئی چنگاری کے بھڑک اٹھنے کے خطرے کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اور اس کا سدباب اسی طرح ہو سکتا ہے کہ "انقلابی تربیت کے نبویؐ طریق" اور خانقاہی نظامِ تزکیہ و تربیت کے مابین فرق و تفاوت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

چنانچہ یہی ضرورت تھی جس کے تحت بیسویں صدی عیسوی میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے نقیب اعلیٰ، اور عہد حاضر میں قافلۂ ملت کے عظیم ترین حدی خواں علامہ اقبال نے "راہبانہ تصوف" کی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور مسلمانوں کو بار بار، مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں "ملا" اور "مجاہد" کے معمولات کی ظاہری مشابہت کے باوجود ان کی نوعیت کے مابین عظیم فرق و تفاوت کی جانب متوجہ کیا۔ مثلاً۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور!
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور!

اور

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات!

اور مسلمانوں کو نہایت زور دار اور دل نشیں انداز میں ابھارا کہ اس خانقاہی طرز کو تج کر اسلام کے عادلانہ نظام اجتماعی اور کامل نظام خلافت کو دنیا میں دوبارہ قائم کرنے کے لئے اسی طرح کی جدوجہد کریں جیسی کبھی دورِ اموی میں حضرات حسین ابن علی اور

عبداللہ ابن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اور دورِ عباسی میں حضرت نفس زکیہؒ نے کی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کے سامنے یہ نصب العین رکھ کر کہ ۔

"تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

اور انقلاب کا یہ نعرۂ مستانہ لگا کر کہ ۔

"خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!!"

مسلمانوں کو پر زور انداز میں للکارا کہ ۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری
شیاطینِ ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

اور "اشیاء کی اصل حقیقت متضاد اشیاء کے تقابل ہی سے اجاگر ہوتی ہے" کے اصول کے مطابق "ابلیس کی مجلس شوریٰ" نامی نظم میں، جسے بجا طور پر امت مسلمہ کے نام علامہ کے آخری پیغام کی حیثیت حاصل ہے، انہوں نے مسلمانوں کے ضمن میں ابلیس کی اپنے کارندوں اور ایجنٹوں کو اہم ترین اور مؤثر ترین ہدایت اسی بات کو قرار دیا ہے کہ ۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

انقلابی تربیت کے لازمی مقاصد و اہداف

اس تمہید کے بعد آیئے کہ پہلے یہ دیکھیں کہ وہ امور کون سے ہیں جو ہر انقلابی تربیت کے لئے لازمی اور لابُدی ہیں' خواہ انقلاب دینی ہو یا خالص دنیوی۔ اس سے قبل ان کالموں میں انقلابی جماعت کی لازمی خصوصیات کے بارے میں جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے اس کے پیش نظر بادنیٰ تامل واضح ہو جاتا ہے کہ انقلابی تربیت کے لازمی مقاصد و اہداف حسب ذیل ہیں:

۱۔ اولین اور اہم ترین یہ کہ کارکنوں کے ذہن اور شعور میں اپنا بنیادی انقلابی فکر نہ صرف یہ کہ برقرار اور مستحضر رہے بلکہ اس پر یقین کی گہرائی و گیرائی اور انشراح و اطمینان میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جائے۔

۲۔ دوسرے تقریباً اتنا ہی اہم یہ کہ کارکنوں میں انقلابی جذبہ اور انقلاب کے لئے تن من دھن حتیٰ کہ جان تک قربان کرنے کی دھن اور لگن بھی نہ صرف قائم و دائم رہے بلکہ بڑھتی چلی جائے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ ان کی آپس کی الفت اور محبت اور انقلاب کے مخالفین سے قلبی تعلق کے انقطاع کی کیفیت میں اضافہ ہوتا چلا جائے' خواہ وہ ان کے ہم قوم اور ہم قبیلہ بلکہ قریب ترین اعزہ و اقارب ہی کیوں نہ ہوں!

۴۔ اور آخری' لیکن اہمیت میں کسی بھی اعتبار سے ہرگز کم تر نہیں' یہ کہ ان میں "تسلیم کی خو" پختہ سے پختہ تر اور ڈسپلن کی پابندی اور "سنو اور تعمیل کرو" کی کیفیت شدید سے شدید تر ہوتی چلی جائے!

یہ امور گنتی میں تو چار ہیں لیکن دراصل ایک ہی حقیقت کبریٰ کے چار مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ انقلابی تربیت کا اصل ہدف یہ ہوتا ہے کہ کارکنوں میں انقلاب کے ساتھ ذہنی اور فکری رشتہ اور والہانہ قلبی لگاؤ نہ صرف یہ کہ برقرار رہے بلکہ مسلسل بڑھتا چلا جائے --- یا بالفاظِ دیگر انقلاب پر ان کے "یقین" میں اضافہ ہوتا چلا جائے!

یہی سبب ہے کہ انقلابی تربیت کا اصل زور اپنے اساسی لٹریچر کے انفرادی اور اجتماعی مطالعے پر ہوتا ہے جس کے تسلسل اور دوام' اور اعادہ و تکرار ہی سے ایک جانب ان کے ذہن اور فکر پر ادھر ادھر سے پڑنے والے اثرات کا گرد و غبار صاف ہوتا رہتا ہے اور ان کا انقلابی فکر بھی تازہ رہتا ہے اور اپنی منزل مقصود بھی' اگر وہ کسی وقت کسی سبب سے دھندلا جائے تو' ان کی نگاہوں کے سامنے از سرِ نو اجاگر ہوتی رہتی ہے۔ اور دوسری جانب مختلف داخلی اور خارجی اسباب کی بناء پر ان کے انقلابی جذبے میں جو ضعف یا اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے اس کے ازالے اور عزم و ہمت کی از سرِ نو استواری اور استحکام کی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت عہد حاضر میں ہر انقلابی' بلکہ نیم انقلابی گروہ بھی' اپنی "امہاتِ کتب" کے علاوہ چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں اور روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ جرائد یا بلیٹن وغیرہ کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھتا ہے اور ان کے صرف انفرادی مطالعے کی ترغیب و تشویق ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اجتماعی مطالعے کے لئے سٹڈی سرکلز کے قیام اور ان کے حسبِ ضرورت روزانہ یا ہفتہ وار یا پندرہ روزہ اجتماعات کا اہتمام کرتا ہے۔ اور ان اجتماعات کے ذریعے کارکنوں کے فکر اور جذبہ کو تازہ رکھنے کے علاوہ باہمی تعارف' ایک دوسرے کے حالات و مسائل سے تفصیلی آگاہی اور باہمی الفت اور محبت کے رشتوں کی استواری کا اضافی مقصد حاصل کرتا ہے۔

اسلامی انقلابی تربیت کا دوسرا اضافی لیکن لازمی عنصر' جس کی کسی خالص مادی اور دنیوی انقلاب کو (خواہ وہ جمہوریت کے لئے ہو خواہ اشتراکیت کے لئے) قطعاً ضرورت نہیں ہوتی' روحانی تربیت اور تزکیۂ نفس ہے! جس کا ہدف یہ ہے کہ ایک جانب انسان کی روح یا شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں "ملکیت" یا اقبال کی اصطلاح میں "خودی" کو اتنی ترقی اور تقویت حاصل ہو کہ وہ اس کے نفس یا شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں "بہیمیت" یا فرائڈ کی اصطلاح میں "Idd" یا "Libido" پر حاوی' غالب' قابو یافتہ' اور حکمران ہو جائے اور دوسری جانب خود نفس بھی رذائل یعنی

دولت کی ہوس اور شہرت و اقتدار کی طلب یا ایک سطح میں "حبِّ دنیا" سے پاک ہو جائے!

اسلام کے نظامِ تربیت کا یہی وہ پہلو ہے جس کی ایک گونہ مشابہت خانقاہی نظام کے ساتھ موجود ہے' لیکن اس کے علاوہ کہ خانقاہی نظام میں سارا زور اسی ایک پہلو پر ہونے اور انقلابی جد و جہد تو کجا فکر و شعور سے بھی بس واجبی سا ناتہ ہونے کی بناء پر بالکل "یک رخا" بن جاتا ہے' خود تزکیۂ نفس کے ضمن میں بھی یہ بنیادی فرق و تفاوت ملحوظ رہنا چاہئے کہ نبویؐ تزکیہ کا ہدف صرف "ضبطِ نفس" (Self Control) ہے' نفس کشی (Self Annihilation) نہیں! جبکہ خانقاہی نظام میں بات نفس کشی تک چلی جاتی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انسانوں کی نفسیاتی اعتبار سے جو اقسام بیان کی ہیں ان میں سب سے اوپر ان لوگوں کو شمار کیا ہے جن کی ملکیت (یعنی روحانیت) بھی قوی ہو اور بہیمیت (یعنی جسمانی یا حیوانی وجود) بھی "جاندار" ہو (بقول اقبال ۔ "ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ - پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے!") --- تاہم یہ ظاہر ہے کہ روحانیت یا ملکیت کا بہیمیت یا حیوانیت پر فیصلہ کن غلبہ ہونا لازمی ہے!

بہرحال اسلامی انقلابی تربیت کے ان دو بظاہر متضاد تقاضوں ہی کی "متوازن جامعیت" کی تعبیر ہے جو ایک روایت میں یوں بیان ہوئی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ایران کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور مسلمانوں کو پے بہ پے فتوحات حاصل ہونی شروع ہوئیں تو ایرانی افواج کے سپہ سالار (غالباً رستم) نے کچھ جاسوسوں کو مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینے اور ان کی کامیابیوں کا راز معلوم کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ ایرانیوں کی اس طبعی ذہانت' جس کا ذکر بعض احادیثِ رسولؐ میں بھی موجود ہے' کا ایک نہایت شاندار مظہران جاسوسوں کا یہ قول ہے کہ: **"ھُم رھبانٌ بِاللّیل وفُرسانٌ بِالنّھار"** (یہ لوگ رات کے راہب' اور دن کے شہسوار ہیں!)

نبویؐ طریقِ تربیت کا مرکز و محور -- قرآن حکیم

اس نادر و نایاب کیفیت کے حصول' اور مشکل اور کٹھن مقصد کی تکمیل کے نبویؐ طریق میں اولین اہمیت قرآن کی تلاوت و ترتیل' اور اس پر تدبر و تفکر کو حاصل ہے۔ اس لئے کہ:

۱- قرآن ہی اسلامی انقلاب کا "اساسی لٹریچر" ہے۔ چنانچہ اسلام کے انقلابی فکر کی اساس یعنی توحیدِ رب ہی اس کا بنیادی اور اہم ترین موضوع ہے جس کے جملہ مضمرات اور مقدرات کو اس میں ع "اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!" کے مصداق اسلوب کے تنوع اور اندازِ بیان کو بدل بدل کر یعنی "تصریفِ آیات" کے ذریعے پوری طرح بیان کر دیا گیا ہے۔

۲- پھر یہی منبعِ ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے' اس لئے کہ یہی وہ "الذّکر" اور "ذِکریٰ" اور "تذکرۃ" ہے جو فطرت انسانی میں مضمر حقائق اور شہادتوں کو قلب کی گہرائیوں سے ابھار کر شعور کی سطح پر لاتا اور اسے "ایمان" کی صورت دیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۵۲ کی رو سے اسی کے ذریعے "اَوَّلُ الْمُؤمِنِینَ" اور "اَوَّلُ الْمُسلِمِینَ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں موجود "بالقوہ" ایمان نے "بالفعل ایمان" یا اجمالی ایمان نے تفصیلی ایمان کی صورت اختیار کی' اور اس کے بعد قرآن حکیم کی بے شمار آیات کے مطابق (مثلاً سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۹) اسی کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کفر' شرک' الحاد اور جہالت و جاہلیت کے اندھیروں سے نکال کر علمِ حقیقت' معرفتِ رب اور ایمان و یقین کی روشنی عطا فرمائی۔ (اسی حقیقت کو سادہ ترین الفاظ میں بیان کیا ہے مولانا ظفر علی خان نے اپنے اس شعر میں کہ ۔

"وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے۔ ڈھونڈے سے ملے گی عاشق کو یہ قرآں کے سیپاروں میں!")

۳- پھر یہی تزکیۂ نفس کا مؤثر ترین ذریعہ' اور امراضِ نفسانی کا تیر بہدف علاج

بھی ہے' اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اسے "شِفَاءٌ لِلنَّاس" بھی قرار دیا ہے (یونس : ۵۷) اور شِفَاءٌ وَ رَحْمَةٌ (بنی اسرائیل : ۸۲) اور ہدایت اور شفاء (حٰمٓ السجدہ : ۴۴) بھی! اور اس کی بہترین ترجمانی کی ہے "ترجمان القرآن" علامہ اقبال نے اپنے ان دو اشعار میں کہ ۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!

(حضرت علامہ نے اپنے ان اشعار میں قرآن حکیم کی ترجمانی کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرمودات کو بھی جمع کر دیا ہے' یعنی ایک یہ کہ آپؐ نے فرمایا کہ "شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح سرایت کر جاتا ہے" اور دوسرے یہ کہ ایک بار آپؐ کے یہ فرمانے پر کہ "ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے!" جب کسی نے آپؐ سے یہ سوال کر لیا کہ "کیا آپؐ کے ساتھ بھی ہے؟" تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا: "ہاں" لیکن میں نے اسے مسلمان بنا لیا ہے!")

قرآن حکیم کی ان جملہ تاثیرات کو علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں حد درجہ خوبصورتی اور کمالِ بلاغت و فصاحت کے ساتھ سمو دیا ہے کہ ۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد' جہاں دیگر شود!

یعنی جب یہ قرآن انسان کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے۔ چنانچہ ایک جانب ذہن کی فاسد خیالات اور غلط افکار و نظریات سے تطہیر اور فکر کی صحیح بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر ہو جاتی ہے تو دوسری جانب نفس کی تطہیر اور تزکیہ بھی ہو جاتا ہے' اور انسانوں کا یہی باطنی انقلاب بالآخر عالمی انقلاب پر منتج ہو

سکتا ہے!

الغرض اسلامی انقلاب کے لئے کارکنوں کی تربیت کے پورے پروگرام میں قرآن مجید کی تلاوت و قراءت کی مداومت' اور اس پر تدبر و تفکر کے تسلسل کو مرکز اور محور کی حیثیت حاصل ہے۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی:

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ○

"اور پڑھتے رہا کرو جو کچھ وحی کیا گیا ہے تمہاری جانب تمہارے رب کی طرف سے' اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں' اور نہیں پاؤ گے تم اس کے سوا کوئی جائے پناہ" (سورۂ کہف' آیت ۲۷)

نظامِ تربیت میں عبادات کا مقام

اسلام کے نظامِ تربیت کا دوسرا اہم جزو انسان کے حیوانی تقاضوں کی مخالفت یعنی مجاہدۂ نفس کے لئے "ریاضت" کا وہ نصاب ہے جو چار اہم عبادات کی صورت میں عطا فرمایا گیا ہے یعنی نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج۔ جن میں سے نماز کو اولین اور اہم ترین ہی نہیں' مرکز و محور اور عمود و "عماد" ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا نمایاں مظہر ہے کہ اس اہم ترین ریاضت یا عبادت کے ساتھ قرآن کی قراءت اور تلاوت کو لازم و ملزوم کی طرح نتھی کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ نماز کے حسن اور فضیلت کا معیار ہی "طولِ قنوت" یعنی طویل قیام کو قرار دیا گیا ہے جس میں "ام القرآن" یعنی سورۃ الفاتحہ کی قراءت تو لازمی ہے ہی' جسے بجائے خود "قرآن عظیم" (سورۃ الحجر: ۸۷) کا مقام و مرتبہ حاصل ہے' مزید ظاہر ہے کہ جتنا طویل قیام ہو گا اتنی ہی طویل قراءت بھی ہوتی چلی جائے گی۔

پھر اسی حکمتِ بالغہ کا یہ مظہر بھی نگاہوں کے سامنے رہنا ضروری ہے کہ ابتداء میں جب نہ پانچ فرض نمازوں کا نظام تھا نہ دوسری عبادتیں یا ریاضتیں ہی عطا ہوئی تھیں' سارا زور رات کی نماز پر تھا اور اس میں بھی اصل ہدایت طویل سجدوں کی

نہیں بلکہ سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات کی رو سے کم و بیش نصف شب پر محیط طویل قیام اور اس میں قرآن کی ترتیل پر تھا۔ بعد ازاں جب پانچ فرض نمازوں کا نظام عطا کر دیا گیا تو یہ "قیام اللیل" بھی سکڑ کر "تہجد" کی شکل اختیار کر گیا۔ لیکن ایک جانب اس میں بھی سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۹ کے مطابق "رات کے ایک حصے میں جاگو" کے حکم کے ساتھ "اس قرآن کے ساتھ" کی ہدایت موجود رہی (اگرچہ بعد کے زمانے میں تہجد کا وصف لازم نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا' اور صرف رکعتوں کی تعداد پیشِ نظر رہ گئی) اور دوسری جانب فجر کی نماز کو تو "قرآن الفجر" ہی سے تعبیر کرتے ہوئے صبح کے سہانے وقت میں زیادہ سے زیادہ قراءت کو مستحسن قرار دیا گیا۔ چنانچہ یہی رمز ہے اس میں کہ سورۃ الکہف کی آیت ۲۷ کے حوالے سے جو بات پہلے بیان ہو چکی ہے اس کی مزید توسیع اور تکمیل سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۵ میں ان الفاظ مبارکہ میں کی گئی:

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○

"پڑھتے رہو جو وحی کیا گیا ہے تمہاری جانب کتاب میں سے اور نماز کو قائم رکھو' یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکنے والی ہے' اور اللہ کی یاد سب سے بڑی شے ہے۔ اور اللہ کے علم میں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو!"

الغرض دن کی نمازوں کے ذریعے نفس کی ایک قسم کی مرغوبات (یعنی تلاشِ معاش اور حصولِ دولت) کی مخالفت' اور رات کی نمازوں کے ذریعے نفس کی دوسری قسم کی خواہش (یعنی آرام اور استراحت) کی مخالفت کے ذریعے "مجاہدۂ نفس" کا منفی 'پروگرام عطا کیا گیا لیکن اس کے ساتھ تلاوت و قراءتِ قرآن کے مثبت پروگرام کو شامل کر کے اس اسلامی انقلابی تربیتی پروگرام کو دو آتشہ کر دیا گیا۔ اور یہ دوہرا تربیتی عمل دن رات میں پانچ بار تو لازم اور فرض ہی کر دیا گیا۔ لیکن اسلامی انقلاب کے

داعیوں اور کارکنوں کے لئے "رات کے ایک حصے میں قرآن کے ساتھ جاگنے" کو بھی نہ صرف مستحسن اور پسندیدہ بلکہ ایک درجہ میں "مطلوب" قرار دیا گیا!

مزید برآں پانچ وقت کی نماز باجماعت کے ذریعے دن رات میں پانچ بار ــــــ "کارکنوں" کے چھوٹے چھوٹے "اجتماعات" پر مستزاد نمازِ جمعہ کے ذریعے ایک بڑا "ہفتہ وار اجتماع" لازم کر دیا گیا جس میں مسلمان کسی مرکزی مقام پر زیادہ بڑی تعداد میں' نہا دھو کر' صاف ستھرے کپڑے زیب تن کر کے' اور خوشبو لگا کر جمع ہوں اور کوئی "نائبِ رسول" منبرِ رسول پر کھڑے ہو کر قرآن کی تشریح و تفہیم بھی کرے اور اس کے ذریعے تذکیر بھی!۔ اور اس "ہفتہ وار اجتماع" میں شرکت و شمولیت اس درجہ لازم کر دی گئی کہ تنبیہہ کر دی گئی کہ "جو شخص بلاعذر اس سے مسلسل تین ہفتے غیر حاضر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر لازماً مہر کر دے گا!" (حدیث نبویؐ)

نماز کے علاوہ روزہ بھی اگرچہ فی نفسہٖ تو خالص مجاہدۂ نفس کی ریاضت ہے' تاہم اس کے ساتھ بھی "قیام اللیل" کو واجب یا سنت مؤکدہ کا درجہ دے دیا گیا۔ البتہ زکوٰۃ کی عبادت خالص تزکیۂ نفس کے لئے ہے' اور حج ان جملہ حکمتوں اور فوائد و برکات کا جامع ہے! یہ دوسری بات ہے کہ جب دین کی روح اور انقلابی جذبہ ختم ہو گیا تو ان جملہ عبادات کی حیثیت محض رسم کی رہ گئی۔ بقول اقبال۔

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالیؒ نہ رہی

اور۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں' تو باقی نہیں ہے!

الغرض' یہ ہے اسلامی انقلابی تربیت کا جامع پروگرام جس میں اصل زور قرآن پر ہے کہ۔

"ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلّا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم!"

کے مصداق قرآن کی تلاوت و قراءت کے ذریعے انقلابی فکر کو صرف تازہ ہی نہ رکھو بلکہ اس پر تدبر اور تفکر کے ذریعے اپنے انقلابی نظریات کے ضمن میں بصیرت باطنی کی گہرائی اور گیرائی کو بڑھاتے چلے جاؤ تاکہ سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۸ کے مطابق دوسروں کو دعوت دو تو "علیٰ وجہ البصیرت" دو!--- اور اسی طرح اپنے جذبہ کو بھی نہ صرف برقرار رکھو بلکہ قرآن کے ذریعے دل کے کانوں سے "آوازِ دوست" سن کر' اور ؎

"فاش گویم آنچہ در دل مضمراست
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است!"

کے مصداق قرآن کے آئینے میں "رخِ دوست" اور جمال و جلالِ خداوندی کے نظارے کے ذریعے لقاءِ رب کی تمنا سے بے قرار' اور تکبیرِ رب' اقامتِ دین' اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کی جدوجہد میں شہادت کی موت کی آرزو سے سرشار ہو جاؤ! بقول اقبال ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی!

نظامِ تربیت میں 'ایمان بالآخرۃ' کی خصوصی اہمیت

چنانچہ یہی ہے اسلامی انقلابی تربیتی پروگرام یا انقلابی تربیت کے نبویؐ طریق کا تیسرا اہم ستون --- یعنی ایمان بالآخرت --- جو اسلامی انقلاب کے کارکنوں کے ایثار اور قربانی کے جذبہ کو وہ وسعت و رفعت' دوام و تسلسل اور استقامت و استقلال عطا فرماتا ہے جو کسی بھی دوسرے محرک سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہو گا کہ جس طرح ایمانیاتِ ثلاثہ میں سے ایمان باللہ یعنی توحید اسلامی انقلاب کے

اساسی فکر کی حیثیت رکھتی ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت و رسالت کی تصدیق نے اب سے چودہ سو سال قبل کی "حزب اللہ" کو مضبوط ترین تنظیمی اساس فراہم کی تھی، اسی طرح ایمان بالآخرت یعنی "اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ" کا یقین اسلامی انقلاب کے لئے ایثار اور قربانی کے جذبے کی بنیاد اور جہدِ مسلسل اور "عملِ پیہم" کا قوی ترین محرک ہے!

یہی وجہ ہے کہ جس طرح قرآن حکیم اسلام کی انقلابی دعوت کی نشرواشاعت کا اہم ترین ذریعہ بھی ہے اور اسلام کے انقلابی تربیتی پروگرام کا مرکز و محور بھی، اسی طرح ایمان بالآخرت بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور علیٰ ہذاالقیاس ہر اسلامی دعوت کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور اسلامی انقلابی جدوجہد کے دوران صبر و ثبات اور استقامت کی بنیاد بھی، یعنی ایک جانب بعث بعد الموت، حشرونشر، حساب کتاب، اور جزاءِ اعمال کی "نبأ عظیم" ہی وہ چونکا دینے والی بات تھی جس نے اب سے چودہ سو سال قبل عرب کے لوگوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور پورے معاشرے میں ہلچل مچا دی تھی، بقول حالی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی!

اور اسی کا یقین موجودہ دور میں دنیا کی محبت میں مست اور مادہ پرستی میں غرق انسانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر سکتا ہے جو کسی بھی انقلابی جدوجہد کا لازمی نقطۂ آغاز ہے ـــــ اور دوسری جانب اسی ایمان بالآخرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کیفیت کہ انسان محسوس کرے کہ "اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے" (سورۃ العنکبوت: ۶۴) اور "ہار اور جیت، اور کامیابی اور ناکامی، کے فیصلے کا اصل دن تو یومِ قیامت ہے" (سورۃ التغابن: ۹)۔ اور "دنیا کی زندگی تو بس ایک سفر کے مانند ہے" (حدیث نبویؐ) بندۂ مومن کے دل میں جذبۂ انفاق، جوشِ جہاد، اور ذوقِ شہادت کو زندہ و تابندہ رکھتی ہے اور کسی بھی حالت میں اس کی حرارت کو کم نہیں ہونے دیتی جو انقلابی جدوجہد کی

شرط لازم ہے۔ چنانچہ یہ یقین کہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" ("ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ جانا ہے" - سورۃ البقرہ: ۱۵۶) اسلامی انقلاب کے لئے سعی و جہد کرنے والوں کے صبر و مصابرت' استقامت و مقاومت' اور ثبات و استقلال کی اصل اساس ہے۔ اور یہ احساس کہ "قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ" ("ہمارے لئے تو دو انتہائی پسندیدہ باتوں کے سوائے کسی تیسری صورت کا امکان ہی موجود نہیں ہے" - سورۃ التوبہ: آیت ۵۲) مایوسی اور بددلی کے امکانات کا کامل سدِّباب کر دیتا ہے۔ یعنی اگر ہم انقلاب برپا کرنے اور اللہ کے دین کو قائم و غالب کرنے میں عملاً کامیاب ہو جائیں تب تو دنیا کے عام معیارات کے مطابق بھی سرخرو ہو جائیں گے' بصورت دیگر اگر ہم اس جدوجہد کے دوران ہلاک ہو جائیں تب بھی ہماری اخروی کامیابی تو یقینی ہے' اور اگر قسمت نے یاوری کی اور ہم اس راہ میں قتل کر دیئے گئے تب تو سب سے بڑی کامیابی حاصل ہو جائے گی اور بشرطِ اخلاص حساب کتاب کے مراحل سے گذرے بغیر براہِ راست جنت الفردوس میں داخلہ مل جائے گا--- گویا۔

"منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے!"

کے مصداق ایمان بالآخرت کے ہوتے ہوئے کسی مایوسی یا بددلی کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا! الغرض آخرت کا یقین اور استحضار اسلامی انقلابی تربیت کا تیسرا اہم ستون ہے۔ اور غور کیا جائے تو اس کا ذریعہ بھی یہی ہے کہ قرآن کو ورد اور وظیفہ بنا لیا جائے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی صفحہ ایسا نہیں ہے جو آخرت کے ذکر سے خالی ہو!

اس ضمن میں مجھے اپنے طالب علمی کے دور کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے کہ جن دنوں میں اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن کی حیثیت سے بحمد اللہ شب و روز پوری تندہی سے کام کر رہا تھا اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہے کہ تعلیم کا بھی نقصان ہو رہا تھا اور جگر کے اس شعر کے مصداق مستقبل کے کیریئر کی تباہی بھی یقینی نظر آ رہی تھی کہ۔

"یہ صحن و روش' یہ لالہ و گل ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
تخریبِ جنوں کے پردے میں تعمیر گلستاں ہوتے ہیں!"

انہی دنوں دیال سنگھ کالج کے ایک طالب علم جو نہایت شریف' سنجیدہ' محنتی اور مخلص ---- لیکن کمیونسٹ کارکن تھے' ان سے میرا تعلق ان کی سادگی' خلوص' اور تندہی کی بنا پر علیک سلیک سے بڑھ کر ذاتی مراسم تک پہنچ گیا تھا۔ ایک روز مناسب موقع دیکھ کر میں نے ان سے یہ سوال براہِ راست اور اچانک کر دیا کہ "ہم اگر اپنے دنیوی کیریئر کی تباہی کا خطرہ مول لے رہے ہیں تو ہمیں تو اس امید کا سہارا حاصل ہے کہ خواہ ہم دنیا میں انقلاب برپا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اخروی اجر و ثواب تو حاصل ہو جائے گا' مجھے یہ بتایئے کہ اگر آپ کے نزدیک اللہ' رسولؐ اور آخرت سب نرے "ڈھکوسلے" ہیں تو آپ اپنی دنیا کس امید پر تباہ کر رہے ہیں' اس لئے کہ انقلاب کے آثار تو کہیں دور دور تک نظر نہیں آ رہے؟" ---- مجھے ان کا نام تو یاد نہیں رہا' لیکن ان کی شبیہ اور "فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ" کے مصداق اس پر طاری ہونے والی حیرانی و پریشانی' اور لاجواب ہو جانے والی کیفیت اب تک میرے حافظے میں محفوظ ہے!

جماعتی نظم اور ڈسپلن کی پابندی

جہاں تک جماعتی نظم اور ڈسپلن کی پابندی کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ یہ مقصد بھی مشق اور ریاضت کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس کی پیہم اور مسلسل مشق تو نماز با جماعت کے ذریعے کرائی جاتی ہے کہ امام کے حکم یا "کاشن" پر قیام و قعود' اور رکوع و سجود ہو' اور غلطی پر ٹوک تو دیا جائے لیکن اگر امام اپنی رائے پر قائم رہے تو نماز اس کی اقتداء ہی میں پوری کی جائے اور جماعت سے علیحدگی اختیار نہ کی جائے' البتہ اگر بعد میں طے ہو جائے کہ واقعی کوئی غلطی ہو گئی ہے تو نماز کو دوبارہ ادا کیا جا سکتا ہے! اور یہی رمز ہے اس میں کہ چونکہ خواتین پر جہاد و قتال کی ذمہ داری نہیں ،

ہے' اور اسی بنا پر ان سے جو "بیعت" لی جاتی ہے اس میں نظمِ جماعت کا تذکرہ موجود نہیں ہے' لہٰذا ان پر نماز بھی "باجماعت" فرض نہیں ہے۔ بلکہ ان کی نماز پنجگانہ گھروں میں' بلکہ مکانوں کے بھی اندرونی گوشوں میں افضل اور زیادہ موجبِ ثواب ہے۔

البتہ اسلام کے انقلابی تربیتی نظام میں "سمع و طاعت" کی مشق اور ریاضت کا سب سے اہم اور مؤثر ترین ذریعہ یہ ہے کہ جب تک "قیادت" کی جانب سے "اجازت" نہ ہو صبرِ محض' اور عدم تشدد کے "حکم" کی پابندی کی جائے! اور خواہ کسی موقع پر انفرادی اعتبار سے جوابی کارروائی اور انتقام لینے کا امکان موجود ہو اس سے کامل احتراز کرتے ہوئے' اور ہر تشدد اور ایذاء کو برداشت کرتے ہوئے' خواہ وہ زبانی کلامی ہو' خواہ بدنی و جسمانی' ایک جانب اپنے موقف پر ڈٹے رہا جائے اور اس سے ہرگز ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا جائے اور دوسری جانب دعوت کا عمل جاری رکھا جائے! اور ؎

"نغمہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!"

کے مصداق انتقام کے طبعی اور فطری جذبات کو اس وقت تک کے لئے روک رکھا جائے جب جوابی کارروائی کا فیصلہ اجتماعی سطح پر ہو جائے' اور **اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوا** ("اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کر دی گئی ہے" یا جو جنگ پر مجبور ہو گئے ہیں "اس لئے کہ ان پر ظلم ہوتا رہا ہے" -- سورۃ الحج: ۳۹) کے مطابق ان کے ہاتھ کھول دیئے جائیں جو اس سے قبل "**کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ**" ("اپنے ہاتھ روکے رکھو" -- سورۃ النساء: ۷۷) کے حکم کے تحت بندھے ہوئے تھے!

اس سے عہدِ حاضر میں مروج "دہشت گردی" کا کامل سدِباب ہو جاتا ہے جس کی اسلامی انقلاب کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہے ہی نہیں! اس لئے کہ جس طرح اسلامی حکومت کو حکم ہے کہ اگر کسی قوم کے ساتھ صلح کا معاہدہ ہے تو جب

تک اس معاہدے کو علی الاعلان فسخ نہ کر دیا جائے کوئی مخالفانہ اقدام نہ کیا جائے' اسی طرح کوئی اسلامی انقلابی جماعت بھی جب تک اجتماعی سطح پر "اقدام" کا فیصلہ اور اس کا اعلانیہ اظہار نہ کر دے اس کے کارکنوں کا اپنے طور پر' یا۔

"پیتا بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال
در پردہ چشمِ یار کی شہ پا کے پی گیا!"

کے مصداق اپنے کسی لیڈر کی خفیہ شہ پا کر کسی متشددانہ کارروائی یا دہشت گردی میں ملوث ہونا ہرگز جائز نہیں۔

مودّتِ باہمی

کسی انقلابی تحریک کے کارکنوں میں جو باہمی الفت و محبت' اور رافت و رحمت مطلوب ہے وہ بھی اصلاً تو نظریاتی ہم آہنگی اور مقصد کے اشتراک سے پیدا ہوتی ہے' چنانچہ کارکنوں میں جس قدر کمٹمنٹ (Commitment) کی گہرائی اور گیرائی بڑھتی جاتی ہے اسی قدر باہمی قلبی و ذہنی قرب اور جذباتی و نفسیاتی لگاؤ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے' لیکن اس میں اصل شدت متذکرہ بالا ابتلاء اور اس کے جواب میں "صبرِ محض" کے دور میں ہی پیدا ہوتی ہے جب کارکنوں کا "درد" مشترک ہو جاتا ہے اور فطری اور منطقی طور پر باہمی "ہمدردی" کو فروغ حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر جیسے جیسے انقلابی جدوجہد آگے بڑھتی ہے اور تصادم شدید سے شدید تر ہوتا جاتا ہے کارکنوں کی باہمی محبت اور ایک دوسرے کے لئے ایثار اور قربانی کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے اور انقلاب کے مخالفین کے خلاف نفرت کے جذبات میں بھی شدت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے --- تا آنکہ "اسلامی انقلاب" کے ضمن میں "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" ("کافروں کے حق میں بہت سخت اور آپس میں بہت شفیق" -- سورۃ الفتح:۲۹) اور "اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ" ("اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم اور کافروں پر بہت بھاری" -- سورۃ المائدہ:۵۴) کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

تاہم اس ضمن میں یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ یہ سب کچھ بالکل فطری طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مکی دور میں اس کے لئے کوئی "مصنوعی" اقدام نہیں کیا۔ اور نہ کوئی ریلیف فنڈ قائم کیا' نہ امداد باہمی کا ادارہ۔ اور آپؐ کی پوری انقلابی جدوجہد کے دوران صرف ایک انتہائی استثنائی کیفیت یعنی ہجرت کے فوراً بعد پیدا ہونے والی ہنگامی صورتِ حال کے سوا جب مہاجرین اور انصار کے مابین "مواخات" قائم کی گئی' کبھی کوئی خصوصی اقدام نہیں کیا گیا۔ بلکہ پورے معاملے کو مسلمانوں کے اپنے جذبۂ ایمان و انفاق پر چھوڑ دیا گیا' جس کے نتیجے میں' بحمد اللہ "یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" ("ترجیح دیتے ہیں دوسروں کو اپنے آپ پر' اگرچہ خود بھی ہوتے ہیں تنگی میں!" ــ سورۃ الحشر :۹) کی نہایت درخشاں مثالیں سامنے آئیں!

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطبات کا مجموعہ

منہجِ انقلابِ نبویؐ

سیرت النبیؐ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

صفحات ۳۸۴ ● قیمت: اشاعت خاص (مجلد) -/۶۰ ، اشاعت عام -/۳۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن

مباحث صبر و مصابرت
درس : ۲

الھُدیٰ قسط: ۸۷

اھلِ ایمان کے لیے ابتلاء و امتحان سے گزرنا لازمی ہے!

سورۃ العنکبوت کی روشنی میں

(۴)

پہلے رکوع کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

سورۃ العنکبوت کی ابتدائی تیرہ آیات کا مطالعہ ہم نے مکمل کر لیا۔ آپ نے دیکھا کہ اگر سلسلۂ کلام معیّن ہو جائے' سیاق و سباق واضح ہو جائے کہ کن حالات میں گفتگو ہو رہی ہے' اُس وقت کیا مسائل درپیش تھے' اور کون لوگ ہیں جن کی طرف روئے سخن ہے تو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کس طرح خود بولتی ہے اور کس طرح اس کی آیات کے مابین ایک ربط اور تعلق قائم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک مربوط اور مسلسل کلام ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ قرآن مجید کا نزول ایک خاص قوم کے مابین ایک خاص ماحول میں ہوا ہے۔ اس کے نزول کے ساتھ ساتھ ایک خاص جماعت تیار ہو رہی تھی جسے جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے لئے ایک منظّم قوت کے طور پر تیار کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم ان کے احساسات اور ان کے مسائل و معاملات کو وقتاً فوقتاً' وقفے وقفے سے زیر بحث لاتا ہے۔

سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع میں ان مسائل و مشکلات' ان امتحانات' ان آزمائشوں' ان تکالیف اور مصیبتوں کے ضمن میں ایک مکمل ہدایت نامہ موجود ہے کہ ان کے بارے میں اہلِ ایمان کا نقطۂ نظر کیا ہونا چاہئے۔ چنانچہ ان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ یہ تمہارے ایمان کی آزمائش ہے۔ تمہارے ایمان کی صداقت کا ثبوت اسی سے مہیا ہو گا۔

یہ امتحان تمہارے جذبۂ ایمانی کی تربیت کے لئے بھی مطلوب ہے۔ اور یہ آزمائش اصلاً اللہ کی طرف سے ہے' اگرچہ بظاہر یہ اللہ کے دشمنوں کے ہاتھوں تم تک پہنچ رہی ہے۔ اور پھر یہ بھی نہ سمجھو کہ تمہیں ایذائیں دے کر وہ بری ہو جائیں گے' ان کو لازماً پکڑا جائے گا۔ ابھی اللہ کی حکمت میں ان کی رسی دراز کرنا ہے۔ وہ تمہیں اسی وقت تک ستا سکیں گے جب تک اللہ چاہے گا۔ اور ایک وقت لازماً آئے گا کہ وہ اللہ کی گرفت میں آئیں گے۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ تمہارے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ اگر انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس سے بچ نکلیں گے تو بڑا غلط فیصلہ کیا ہے۔ پھر ایمان کی حقیقت بھی بیان فرمادی گئی اور ایمان اور عملِ صالح کے تقاضے پورے کرنے والوں کے لئے بہترین اجر کی بشارت بھی دی گئی۔ یہ سب کچھ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو صبر کی تلقین ہی تو ہے۔

ہمارے اس منتخب نصاب کا نقطہ آغاز سورۃ العصر ہے' جس میں ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو بھی لوازم نجات میں سے شمار کیا گیا ہے:

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○

سورۃ العنکبوت کا یہ مقام در اصل 'تواصی بالصبر' کے لئے انتہائی خوبصورت افتتاحی سبق ہے۔ یہاں تواصی بالصبر کا فریضہ گویا اللہ تعالیٰ خود سرانجام دے رہے ہیں۔ اہلِ ایمان کو صبر و ثبات کی تلقین کی جارہی ہے کہ اپنے قول پر ڈٹے رہو' جمے رہو' اپنے دعویٰ ایمان میں اس طور سے ثابت قدم رہو کہ تمہارے پائے ثبات میں کہیں کوئی لرزش نہ آنے پائے۔

رکوع ۲ تا ۴ کے مضامین کا مختصر جائزہ

یہ سورۂ مبارکہ ایک خاص پہلو سے انہی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس منتخب نصاب میں اس کا تو امکان نہیں ہے کہ سات رکوعوں پر مشتمل اس پوری سورۂ مبارکہ کا درس شامل کیا جا سکے' تاہم پہلے رکوع کے علاوہ ہم اس کی مزید چند آیات کا مطالعہ بھی کریں گے۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کے حالات سے استشہاد فرمایا ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تم پہلی امت نہیں ہو' نہ محمد صلی

اللہ علیہ وسلم پہلے رسولؐ ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاحقاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا: "قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ" یعنی اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ میں کوئی نیا نویلا رسول نہیں ہوں۔ بہت سے رسول آپؐ سے پہلے آئے ہیں۔ یا جیسے سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں اور آپؐ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ ان رسولوں کے ساتھ بھی یہ تمام حالات پیش آئے۔ ان پر ایمان لانے والوں کو بھی ان تمام گھاٹیوں سے گزرنا پڑا اور وہ ان تمام آزمائشوں کے مراحل سے دو چار ہوئے۔ چنانچہ ایک ایک کا نام لے کر بہت سے انبیاء و رسل کا تذکرہ کیا گیا۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا اور اس ضمن میں خاص طور پر یہ بات نمایاں کی گئی کہ ان کی استقامت بے مثال تھی کہ انھوں نے ساڑھے نو سو برس اپنی قوم میں گزارے۔ مسلسل اعراض، مسلسل انکار، استہزاء اور تمسخر سے ان کا سابقہ رہا، لیکن ہمارا وہ بندہ ثابت قدم رہا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستان آتی ہے۔ کونسی آزمائش ہے جس سے آپؑ نہیں گذرے۔ گھر سے انھیں نکالا گیا۔ مشرک باپ نے زجر و ملامت کے انداز میں ان سے کہا: "لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا" یعنی اے ابراہیم! اگر تم میرے ان خداؤں کی مخالفت سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا۔ اور یہ کہ تم فی الفور میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ۔ پھر کونسا ایسا کٹھن مرحلہ ہے جو ان پر نہیں گزرا۔ بادشاہِ وقت کے دربار میں پیشی ان کی ہو رہی ہے، آگ کے الاؤ میں وہ جھونکے جا رہے ہیں، اپنا وطن خیرباد کہہ کر پوری زندگی ایک مسافرت کے عالم میں وہ بسر کر رہے ہیں۔ آج یہاں ہیں، کل وہاں ہیں، کبھی شام کے بالائی علاقے میں ہیں، کبھی فلسطین میں آکر ڈیرے لگائے ہیں تو کبھی مصر میں ہیں۔ حجاز میں دعوت توحید کا ایک مرکز تعمیر کیا ہے۔ دوسرے بیٹے کو فلسطین میں بٹھا دیا ہے۔ اللہ کا یہ بندہؑ اپنے اس یقین پر قائم ہے کہ اس کا تعلق اپنے گھر والوں سے نہیں، آباء و اجداد سے نہیں، کسی زمین سے نہیں، کسی وطن سے نہیں، اس کا تعلق صرف اور صرف خدائے واحد کے ساتھ ہے۔ اللہ کا وہ بندہؑ اس آخری امتحان سے بھی گزرا کہ عین بڑھاپے کے عالم میں دعائیں مانگ مانگ کر جو اکلوتا بیٹا لیا تھا اللہ نے اس کے ضمن میں بھی آزما لیا کہ کہیں اس کی محبت ابراہیمؑ کے دل میں میری محبت سے

زیادہ تو نہیں ہو گئی۔ تو یہ آزمائش اور امتحان تو اس راہ کا ایک مستقل ضابطہ اور قانون ہے' اس میں کوئی استثناء نہیں ہے' جو ادھر آئے گا آزمایا جائے گا۔ یہاں انبیاء و رسل کے حالات کا ذکر گویا "وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" کی تفسیر ہے۔

اہلِ ایمان کے لئے خصوصی ہدایات

انبیاء اور رسل کے احوال بیان کرنے کے بعد پانچویں رکوع میں آیت نمبر ۴۵ سے کہ جہاں سے اکیسویں پارے کا آغاز ہوا ہے' ایک نہایت اہم مضمون شروع ہوتا ہے کہ اس قسم کے حالات میں اہل ایمان کو کرنا کیا چاہئے۔ اس ضمن میں بعض معیّن ہدایات مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔ اجمالاً یہاں اس میں سے صرف چند آیات کا حوالہ دینا مفید رہے گا۔ ظاہر بات ہے کہ اس پوری عبارت کو جو تین رکوعوں پر مشتمل ہے ہم اس مختصر منتخب نصاب میں شامل نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے کی پہلی ہدایت اکیسویں پارے کے بالکل آغاز میں وارد ہوئی ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○

"(اے نبیؐ) تلاوت کیا کرو اس کی جو وحی کیا گیا ہے تمہاری جانب کتاب الٰہی میں سے۔ اور نماز قائم رکھو' یقیناً نماز برائی سے اور بے حیائی سے روکنے والی ہے۔ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر رہے ہو"۔

یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ المنافقون میں ہم پڑھ چکے ہیں یعنی ذکرِ الٰہی کا التزام۔ اس کٹھن راستے میں ہمدم' غمخوار' پشت پناہ اور ہمت بندھانے والا اگر کوئی ہے تو وہ اللہ کا ذکر ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

کہ اے مسلمانو' دیکھنا تمہارا مال اور تمہاری اولاد کہیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ اس لئے کہ جو اس فتنے میں گرفتار ہو گیا تو وہی ہے خسارہ پانے والا۔ یہاں فرمایا کہ

مشکل اور کٹھن حالات میں تمہارے لئے اصل سہارا تلاوت قرآن ہے اور ادائے صلوٰۃ' یہ دونوں ذکر کی اعلیٰ ترین صورتیں ہیں۔ قرآن حکیم مجسم ذکر ہے۔ یہ "الذکر" بھی ہے اور "ذکریٰ" بھی! اس کی تلاوت پر کاربند رہنا' اس کو پڑھتے رہنا ذکر کی نہایت عمدہ صورت ہے۔ پھر یہ کہ جامع ترین ذکر ہے نماز۔ اس میں ذکرِ قولی بھی ہے اور ذکرِ عملی بھی۔ اس میں اپنی زبان سے اللہ کو یاد کرنا بھی ہے اور اس کے سامنے اظہار بندگی کے طور پر جھک جانا یعنی رکوع اور سجود بھی ہے۔ فرمایا: "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" کہ اس راہ میں ہمت بندھانے والی اور ثابت قدم رکھنے والی سب سے بڑی چیز بلاشبہ 'اللہ کی یاد' ہی ہے۔

اس سلسلے کی دوسری اہم ہدایت اس سلسلۂ کلام میں ذرا آگے چل کر وارد ہوئی ہے۔ یہ آیت نمبر ۵۶ ہے جس میں ہجرت کی طرف اشارہ بھی موجود ہے۔ فرمایا:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ○

"اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بہت کشادہ ہے' پس تم صرف میری بندگی کرو۔"

کہ اگر کسی ایک مقام پر تمہارے لئے توحید پر کاربند رہنا ناممکن بنا دیا گیا ہو تو تم اس زمین کے ساتھ بندھے نہ رہو' وہ شہر یا وہ ملک یا وہ خطۂ ارضی تمہارے قدموں کو روک نہ لے' باندھ نہ لے' بلکہ تم ہجرت کر جاؤ۔ اس لئے کہ بہرصورت تمہیں بندگی میری ہی کرنی ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں گویا کہ مسلمانوں کو ہدایت دے دی گئی اور صاف الفاظ میں اشارہ کر دیا گیا کہ اگر مکے کی سرزمین تم پر تنگ ہو گئی ہے اور یہاں رہ کر توحید پر کاربند رہنا تمہارے لئے مشکل بنا دیا گیا ہے تو اس سرزمین کو خیرباد کہو اور ہجرت کر جاؤ۔ درحقیقت اسی ہدایت اور رہنمائی کے تحت ہجرتِ حبشہ واقع ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو یہ اجازت دی کہ وہ مکہ سے چلے جائیں اور حبشہ میں جا کر پناہ گزین ہو جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے دو قافلے حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ اس سورۂ مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاص طور پر جو ذکر آیا ہے' جس طریقے سے ان کی زندگی مسلسل مہاجرت میں گزری ہے یہ حکم گویا اسی کا ایک عکس ہے۔ آگے فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○

"ہر ایک کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے پھر تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے"
کہ یہ زندگی عارضی ہے' تکلیفوں اور مشقتوں میں بھی بیت جائے گی اور آرام و آسائش کے ساتھ بھی بہرحال ختم ہو کر رہے گی۔ پھر تم سب ہماری طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ موت کا خوف اگر ہجرت کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے تو اسے ذہن سے جھٹک دو' موت تو بہرصورت آکر رہے گی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○

پھر دیکھئے وہی مؤکد وعدہ جو پہلے رکوع میں دو مرتبہ آیا تھا' یہاں سورۃ کے آخری حصے میں بھی موجود ہے۔ "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے (یعنی ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کیا) ہم لازماً ان کو ٹھکانا دیں گے جنت کے بالاخانوں میں" نوٹ کیجئے' ہجرت کے ساتھ اس لفظ "لَنُبَوِّئَنَّهُمْ" کی بڑی مناسبت ہے۔ بَوَّءَ' يُبَوِّءُ کے معنی ہیں کہیں ٹھکانہ دینا' پناہ فراہم کرنا۔ "ہم ان کے لئے ٹھکانہ بنائیں گے جنت کے ان بالاخانوں میں' بہشت کے ان جھروکوں میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہونگی' اور کیا ہی عمدہ ہے یہ بدلہ عمل کرنے والوں کا۔" اور یہ عمل کرنے والے کون ہیں؟ ساتھ ہی واضح فرما دیا: اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ وہ لوگ جنھوں نے صبر کی روش اختیار کی' جو ثابت قدم رہے' نہ کسی تشدد اور مخالفت سے بددل ہوئے نہ کسی لالچ اور TEMPTATION سے انھوں نے اپنی منزل کھوٹی کی۔ ان کا توکل صرف اپنے رب پر تھا' ان کی تمام امیدیں صرف اسی کی ذات سے وابستہ رہیں اور وہ اسی کی پکڑ سے ڈرتے رہے!

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نویدِ جانفزا

یہ سورۂ مبارکہ ختم ہوتی ہے ایک ایسی نویدِ جانفزا پر جو ہر اس بندۂ مومن کے لئے ہے کہ جو اس قسم کی کسی کشمکش میں عملاً مبتلا ہو اور صبر و مصابرت کے ان امتحانات سے اور آزمائشوں اور تکالیف کے اس دور میں سے گزر رہا ہو۔ ایسے شخص کے لئے اس سے بڑی نویدِ جانفزا اور اس سے زیادہ قطعی یقین دہانی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ فرمایا:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○"

"اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے' ہم ان کے لئے اپنے راستے کھولتے جائیں گے اور بے شک اللہ خوب کاروں کے ساتھ ہے"

پھر نوٹ کیجئے لفظ "جہاد" کی سورت میں وارد ہو رہا ہے جب کہ ابھی قتال کا دُور دُور تک کہیں کوئی سوال نہیں تھا۔ یہ مجاہدہ' یہ کشمکش اور یہ تصادم درحقیقت نظریات کی سطح پر ہو رہا ہے۔ صبر کا صبر کے ساتھ مقابلہ ہو رہا ہے۔ وہ لوگ اپنے نظام باطل کے تحفظ میں اپنی قوتوں کو مجتمع کر رہے ہیں' یہاں اہلِ ایمان ہیں جو اپنے ایمان کے لئے' اپنے رب کے کلمے اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے جان توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ دینِ حق کے ان سرفروشوں سے ہمارا پختہ وعدہ ہے کہ "لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" دیکھئے' یہاں تاکید کا وہی آخری اسلوب ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے شروع میں بھی یہ صیغۂ تاکید بتکرار آیا ہے اور یہاں آخیر میں پھر یہ اسلوب اختیار کیا گیا۔ "لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" ایسے لوگوں کے لئے ہم لازماً اپنے راستے کھولتے چلے جائیں گے۔ یہ ایک بہت اہم بات ہے' بہت اعلیٰ اور عمدہ وعدہ ہے جو مسلمانوں سے کیا جا رہا ہے۔ قدم بڑھاؤ تو سہی' آگے کی منزلوں کے بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں' اللہ تمہاری انگلی پکڑ کر تمہیں اپنے راستے پر چلائے گا' تمہارے لئے وہاں سے راستے کھولے گا جہاں سے کوئی راستہ کسی کو نظر نہ آتا ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نگاہ ڈالئے' ہجرت سے قبل سن دس گیارہ نبوی میں بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کہیں کوئی راستہ دور دور تک نظر نہ آ رہا ہو۔ مکے سے مایوس ہو کر آپ طائف تشریف لے گئے۔ وہاں جو کچھ ہوا اور جس طور سے ہوا وہ سب کے علم میں ہے۔ زبانی مخالفت پر ہی اکتفا نہیں کی گئی' آپؐ پر پتھراؤ بھی کیا گیا' یہاں تک کہ جسمِ اطہر لہولہان ہو گیا۔ واپس آئے تو مکہ میں حالات اس درجے مخدوش تھے کہ ایک مشرک کی امان لے کر مکہ میں داخل ہوئے' اس لئے کہ آپؐ کے قتل کی سازش تیار ہو چکی تھی' تمام راستے گویا بند ہو چکے تھے' امید کی کوئی کرن دور دور نظر نہیں آتی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے گھر بیٹھے راستہ کھول دیا۔ مدینہ منورہ سے چھ افراد آئے اور ایمان لے آئے۔ اگلے سال بارہ آئے' بیعت ہو گئی۔ اس سے اگلے سال بہتر (۷۲) یا پچھتر (۷۵) افراد آئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ گویا مدینہ منورہ کا دارالہجرت بننا مقدّر ہو رہا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے لئے ٹھکانہ اور جائے پناہ بنانے کا فیصلہ

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

افکار و آراء

(مراسلہ نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۹۹۳ء کے انتخابات کو مزید عذابِ الٰہی نہ بننے دیں

--- مسلم لیگ اور نواز شریف معروف سیکولرسٹ تھے، اقتدار ملنے پر بھی سیکولرسٹ ہی رہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے عملاً بغاوت جاری رکھی، اطاعت اللہ اور اطاعت رسول ﷺ کی بجائے اطاعت آئین کی بدولت اس درجے میں تو یقیناً عذابِ الٰہی نازل ہو چکا ہے کہ

--- یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر الیکشن میں پاکستان ۷۵ ارب روپے کا مقروض ہوتا ہے، ۲۵ ارب مصارف الیکشن کے لئے، ۲۵ ارب مقررہ مدت سے پہلے اسمبلی توڑنے کے لئے اور ۲۵ ارب اسمبلی کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے۔ اللہ نے سپریم کورٹ کے بجائے ثالثوں سے اسمبلی تڑوا دی۔

--- سابق صدر پاکستان ذلت، منافقت اور مکاری کے تاجدار بن کر رخصت ہوئے اور حسبِ عادت قانون سے پوری بددیانتی کے ساتھ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بھکاری بن کر ایوانِ صدر سے آج بھی چمٹے ہوئے ہیں۔

--- بے نظیر صاحبہ نے خالصتاً اسلام دشمنی اور ذاتی ڈکٹیٹرشپ کی راہیں استوار کرنے کے لئے آٹھویں ترمیم کے شوشے میں نواز شریف صاحب کو سابق صدر سے ٹکرا کر اور پھر خود اسی صدر کا ساتھ دے کر جوان کا دشمن نمبرا تھا پوری دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان میں صرف اور صرف منافقت کی سیاست کامیاب ہو سکتی ہے۔ یوں اللہ رب العزت نے بے نظیر صاحبہ کے ایک تیر سے دو شکار کروائے۔ واضح اسلام دشمن کے ہاتھوں درپردہ اسلام دشمنوں کی تذلیل کروائی۔

===== دینی اور مذہبی جماعتوں کے قائدین اور ممبرانِ اسمبلی بھی =====

--- اپنے تمام تر قرآن و سنت کے علم کے باوجود سیکولرسٹوں سے پیچھے نہ رہے، عقلی گھوڑے دوڑاتے رہے، نہ ہی قرآن و سنت کو سپریم لاء نہ بنائے جانے پر اسمبلی میں سیکولرسٹ مسلم لیگ اور سیکولرسٹ نواز شریف کا ساتھ چھوڑا، نہ استعفے دیئے۔ استعفے کی سعادت عملی بھی اللہ رب العزت نے ایک عیسائی (بے سالک) کو عطا فرمائی، نہ ہی متحد ہوئے، نہ ہی متحد ہونے کا کسی درجے میں کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔ ہر قائد اتحاد کا سب سے بڑا داعی ہے، اس کے دروازے تمام جماعتوں کے لئے ہر وقت کھلے ہیں، اس بدنصیبی کا کوئی علاج نہیں کہ کوئی بھی نہ الیکشن سے دستبردار ہونے کے لئے اور نہ ہی اپنی جماعت کو کسی دوسری جماعت کے تابع کرنے کے لئے تیار ہے۔

===== بے نظیر جانتی ہیں =====

--- کہ دینی اور مذہبی قائدین اور علماء کے موجودہ مقامِ اجتہاد سے مذہبی ووٹ ہی تقسیم ہوں گے اور اس طرح سے بے نظیر صاحبہ کو اسلام کے خلاف سب سے بڑا خطرہ قرار دینے والے خود ان کی کامیابی کا ذریعہ بنیں گے۔

===== نواز شریف جانتے ہیں کہ دینی اور مذہبی قائدین =====

--- میں سے کم سے کم کچھ کو تو وہ فریب دینے میں کبھی ناکام نہیں ہوئے، اور یہ بھی کہ جس طرح پچھلی دفعہ قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانے کے جھوٹے وعدے سے مسندِ اقتدار پر پہنچے تھے کوئی وجہ نہیں کہ وہ پھر سادہ لوح اور اقتدار کے پجاریوں کو اپنے ساتھ نہ ملا سکیں۔

===== الیکشن کا نتیجہ اب بھی ہمیشہ والا ہی نکلے گا =====

--- ہارنے والے ۲۵ ارب روپے اسمبلیاں تڑوانے پر صرف کریں گے اور ۱۰ سے ۳۳ فیصد ووٹ لے کر جیتنے والے ۲۵ ارب روپے اسمبلیوں کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے صرف کریں گے۔ (ایک پیسہ بھی ان کی اپنی جیب سے خرچ نہیں ہوگا)

۱۹۹۳ء کے انتخابات کو نعمت عظمیٰ بنائیے

"پانچ" کام کیجئے

۱۔ انتخابات "متناسب نمائندگی" کی بنیاد پر کروائیں تاکہ ۴۶ سال سے جمہوریت کے نام پر کھیلا جانے والا ناپاک خونی کھیل ختم ہو، وہ خونی کھیل جس میں دھوکے باز سیاستدان ایک لاکھ کے حلقہ انتخاب میں سے صرف دس ہزار یا اس سے کم ووٹ لے کر اپنے آپ کو اکثریت کا نمائندہ قرار دیتے رہے ہیں، تاکہ صرف وہی لوگ کامیاب ہوں جو پچاس فیصد یعنی ایک لاکھ ووٹوں کے حلقہ انتخاب سے پچاس ہزار سے زیادہ ووٹ لیں

====(۲) الیکشن کمشنر کو پابند کروائیں کہ ======

--- کسی ایسے غدار وطن کے کاغذات نمائندگی قبول نہ کرسکے جس نے کروڑوں روپے کے قرضے معاف کروائے ہوں یا جو (یا جس کا خاندان) بدستور مقروض ہو جب تک کہ وہ قرض واپس نہ کرے، یہ سودی نظام کے پروردہ دم کو لو ٹیرے ہیں انہوں نے آپ سے ہر بار جھوٹ بولا ہے، جھوٹے دعوے، جھوٹے وعدے ان کا داخل کا ایمان اور ان کی اصل پہچان ہے۔

۔۔(۳) الیکشن کمشنر کو پابند کروائیں کہ۔۔

--- وہ کسی ایسے ضمیر فروش کے کاغذات نامزدگی قبول نہ کرسکے جس نے ماضی میں منتخب ہونے کے بعد وفاداری تبدیل کرکے اسمبلی جیسی مقدس جگہ کو ہیرہ منڈی بنا دیا ہو، اجسام فروشی (ہارس ٹریڈنگ) کے عادی بکنے سے کبھی باز نہیں آسکتے۔

======(۴) دینی اور مذہبی قائدین کے پاؤں پکڑیں کہ ======

--- حسب سابق ہوس اقتدار کے ہاتھوں متحد نہ ہو کر اور خود ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہو کر دینی اور مذہبی ووٹوں کو تقسیم کرا کے "سیکولرسٹ حضرات" کو کامیاب کروا کر قرآن و سنت کی بالادستی کی تذلیل کا موجب نہ بنیں۔

====۴۶ سال سے "نظام کفر" آپ کے نام میں آپ کی ووٹوں سے قائم کیا جارہا ہے ====

--- (۵) ووٹ قبول کرلیں لیکن مسلم لیگ جو قرآن و سنت کو سپریم لاء بنوانے کے وعدے پر منتخب ہو کر اس سے منحرف ہوئی اور پیپلز پارٹی جس کے قریب قرآن و سنت کے قوانین "وحشی قوانین" ہیں کو ووٹ دے کر دنیا کی ذلت اور آخرت کی بربادی قبول نہ کریں۔

ایک دفعہ انتخابات میں ووٹ نہ دے کر انتخابات کو ناکام کروا دیں دونوں حصول اقتدار کی خاطر قرآن و سنت کو سپریم لاء بنوانے کے لئے آپ کے قدموں پہ سر ٹیک دیں گے۔

--- آئین پاکستان کی آرٹیکل ۶۲ (بشمول مندرجہ بالا ۲ اور ۳) کے تحت مقدمات درج کرنے کے لئے ہر شہر سے وکلاء رابطہ فرمائیں ---

سیکرٹری تحریک فہم القرآن، مکان نمبر ۳۴، گلی نمبر ۳، شالیمار ایف سیکس تھری، اسلام آباد

فون: ۲۱۲۲۱۶ (۰۵۱) ——— ۲۱۳۳۰۶ (۰۵۱) فیکس: ۲۱۳۳۹۰ (۰۵۱) تحریر ۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء

تحریک فہم القرآن نہ ہی انتخابات کی سیاست میں ملوث ہوگی نہ ہی کوئی منفعت، نہ ہی کوئی منصب قبول کرے گی

خطوط و نکات

دوحہ (قطر) سے جناب ظریف احمد ندوی کا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدوم و مکرم قبلہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب حفظہ اللہ' امیر تنظیم اسلامی لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'

امید ہے کہ بخیر ہوں گے۔ ایک لمبے عرصہ سے آپ کو خط لکھنا چاہتا تھا لیکن ابھی تک اللہ کی طرف سے خط لکھنے کی توفیق نہ ہوئی تھی۔ میں ظریف احمد بن محمد صدیق ساکن بھلپورہ ضلع انبالہ ہریانہ میں ۱۹۵۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۶۵ء میں جامعہ اسلامیہ ریڑہی تاج پورہ ضلع سہارنپور انڈیا میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دارالعلوم سے دورۂ حدیث اور تکمیلِ ادبِ عربی سے ۱۹۷۷ء میں فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تخصصِ ادبِ عربی کا دو سالہ کورس کیا اور اس کے ساتھ کچھ عرصہ معہد المعالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کے طالب علم کی حیثیت سے گزارا۔ اس دوران دارالعلوم کے مدرسہ ثانویہ میں دو گھنٹہ معلمی کے فرائض بھی میرے سپرد تھے۔ ۱۹۸۱ء میں مدینہ منورہ یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ میں داخلہ لیا اور چار سالہ کورس مکمل کر کے ۱۹۸۵ء میں اپنے علاقہ ہریانہ انڈیا میں دارالافتاء کی طرف سے مبعوث کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ لیکن دارالافتاء کی قیود اور بندشوں کی وجہ سے دعوتی کاموں میں بڑا نقصان ہو رہا تھا اس لئے میں نے اس ملازمت کو چھوڑ دیا اور ہریانہ کے اس بنجر علاقہ میں اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ معہدالرشیدالاسلامی جگا دھری قائم کیا۔ اس ادارہ کا قیام ۱۹۸۷ء میں عمل میں آیا لیکن سکھوں اور ہندوؤں کے اس ماحول میں' جہاں ساتھ دینے والے لوگ برائے نام تھے' کام بنتا نظر نہ آیا' لہٰذا ۱۹۸۷ء میں دوحہ - قطر کی وزارتِ داخلہ میں ملازم کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔

معہد اور اپنا علاقہ اور وہاں اسلام اور مسلمانوں کی پسماندگی ہمیشہ سامنے رہی اور اس کے لئے یہاں رہتے ہوئے جو کچھ ہو سکا وہ کرتا رہا۔ آج معہد جو ایک استاد اور دس بچوں سے شروع ہوا تھا' وہاں مقیم طلبہ کی تعداد سو (۱۰۰) تک پہنچ گئی ہے۔ قریب کے دیہات سے آنے والے بچوں کی تعداد بھی تین سو (۳۰۰) تک ہے۔ اس طرح آپ کے اس علاقہ میں دین کے کام کے آغاز کی شکل پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ہریانہ' پنجاب اور

ہماچل پردیش میں دعوتی کام کرنے والوں کا پہلا اجتماع منی مزرعہ چنڈی گڑھ میں ہوا۔ اس اجتماع میں ایک تنظیم کی بنیاد ڈال دی گئی جس کا نام تنظیم دعوتِ اسلامی برائے صوبہ جات ہریانہ و پنجاب و ہماچل رکھا گیا۔ اس کے ممبران میں شملہ و نالاگڑھ' ہماچل پردیش پنجاب میں مالیر کوٹلہ' ضلع سنگرور اور ہریانہ میں انبالہ' کرنال' پانی پت' کروک شیتر اور تھانیسر کے علاقوں کے لوگ شامل ہیں۔

اس تنظیم کے ذریعہ سونی پت و پانی پت کے علاقوں کے وہ لاکھوں مسلمان جاٹ جو مرتد ہو گئے تھے' اسلام میں دوبارہ واپس ہو رہے ہیں۔ ۱۹ نومبر ۱۹۹۱ء کو جب میں تین ماہ کی چھٹی پر انڈیا گیا ہوا تھا' ہم لوگوں نے سفیدوں منڈی' ضلع جیند میں جو کہ مرتدین کا خاص گڑھ ہے' پہلا دینی ادارہ مدرسہ محمدیہ قائم کر دیا اور آج اللہ کا فضل ہے کہ وہاں ۵۰ بچے ان مرتدین کی اولاد میں سے جو کہ ابھی جلدی ہی اسلام کی طرف لوٹے ہیں' دینی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔

جناب ڈاکٹر صاحب! ابھی پانچ ماہ قبل میں نے سونی پت' پانی پت' کرنال اور ضلع جیند کے سینکڑوں دیہات کے دورے کئے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ۳۲ گاؤں کے لوگ دوبارہ اسلام میں واپس ہو گئے اور ان تمام جگہوں میں مساجد و مدارس کی بنیادیں رکھی جا رہی ہیں۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی نے میری ان کوششوں کو دیکھ کر ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ندوہ لکھنؤ بلایا اور اجازت و خلافت سے بھی نواز دیا۔ فللّٰہ الحمدُ علیٰ ذٰلک۔ حضرت ڈاکٹر صاحب! آپ کو تو اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان کیا بنا' اس نے مشرقی پنجاب کو بڑا نقصان پہنچایا۔ ہمارے مشرقی پنجاب کی ۲۰ ہزار مسجدیں' ہزاروں مدارس اور خانقاہیں یا تو ویران پڑی ہیں یا ان میں خنزیر بندھے ہوئے ہیں!۔ ۱۲ لاکھ ۷۲ ہزار مسلمان فقط مشرقی پنجاب سے پاکستان کی نذر ہوئے اور آج بھی ۹۵ ہزار مسلم خواتین سکھوں و ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں جن میں ہزاروں لڑکیاں سید زادیاں بھی ہیں۔

آپ سے میرے تعلق کی بنیاد آپ کا یہ انقلابی فکر ہے جو اسلام و مسلمانوں کے لئے آپ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب! آپ کی کئی کتابیں میں نے پڑھ لی ہیں جن میں سب سے پہلے "سرا گندیم' بسم اللہ مجریھا' و مرسٰھا" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ کی کتابوں کو پڑھ کر دل پھڑک اٹھتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ کچھ کر گزریں۔ حضرت امیر صاحب! آپ کو بخوبی علم ہے' مشرقی پنجاب کی یہ سرزمین جس میں آپ کا مولد ضلع حصار بھی آتا ہے' اللہ کے ولیوں اور دوستوں کی سرزمین تھی لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ اللہ کے نام لیوا لوگوں سے خالی ہو گئی۔ یہ آپ کا سرہند شریف جہاں امامِ انقلاب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ آرام

فرما رہے ہیں، ادھر آپ کا جالندھر جہاں امام ناصرؒ آرام فرما ہیں، ادھر پانی پت میں حضرت بو علی شاہ قلندرؒ، خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ و حضرت شاعر اسلام خواجہ الطاف حسین حالیؒ اور مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ آرام فرما رہے ہیں، ادھر آپ کے تھانیسر میں حضرت جلال الدین تھانیسریؒ آرام فرما رہے ہیں، لیکن آج یہ سرزمین اللہ کے نام لیوا حضرات سے خالی ہو گئی!

جناب والا! میری دلی تمنا یہ ہے کہ آپ کا ہر قسم کا تعاون ہمیں حاصل ہو۔ پہلی گزارش تو یہ تھی کہ ایک فرصت کا وقت مشرقی پنجاب کے لئے نکال لیں۔ اس دورہ میں بندہ آپ کے ساتھ ہو، پھر آپ کو دکھلاؤں کہ آپ کے علاقہ کی حالت کیا ہو گئی تھی اور اب یہاں روشنی کی کرن نظر آنی شروع ہو گئی ہے۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ آپ کی تمام تالیفات خواہ کسی زبان میں ہوں، ہمارے معہدالرشید الاسلامی جگا دھری ہریانہ کے لئے ارسال فرما دیں اور یہ قطر کے پتہ پر ہی بھجوائیں کیونکہ انڈیا شاید پاکستان سے کتابیں بھیجنا آسان نہ ہو۔ یہ کتابیں جیسے آپ مناسب سمجھیں، قیمتاً یا اس علاقہ کی خاطر معہد کو ہدیتاً ارسال فرمایں۔ حضرت والا، آپ اپنے ہیں۔ بڑا افسوس اس کا ہے کہ آپ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ میں شریک ہوئے اور میں آپ کو تلاش ہی کرتا رہ گیا کہ ابھی ڈاکٹر صاحب یہاں تھے، ابھی یہاں تھے، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ آپ بے پناہ اژدھام کی وجہ سے جلد ہی لاہور کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔

حضرت اقدس! اس بار چھٹیوں میں آپ کے شہر حصار کے لئے بھی کوئی دعوتی ترتیب قائم کرنی ہے۔ اب کی بار ہمارے منصوبے میں جو علاقہ و شہر ہیں، ان میں ہریانہ میں آپ کا حصار شہر اور اس کے دیہات اور پنجاب میں ضلع جالندھر، پٹیالہ، گورداسپور اور پٹھان کوٹ شامل ہیں۔ جناب والا! میں نے یہ پہلا خط آپ کو لکھا ہے اور یہ بھی بڑا طویل کر دیا۔ ایک بات عرض کرتا چلوں کہ میں نے طے کر لیا ہے کہ ان شاء اللہ قطر کی سطح پر تنظیم اسلامی کے مشن کو فروغ دیا جائے گا۔ اسی طرح ہریانہ و پنجاب میں بھی اس کے آفس مجھے جگہ جگہ قائم کرنے ہیں، ان شاء اللہ۔

ظریف احمد ندوی
فاضل مدینہ یونیورسٹی
DOHA - QATAR

رفتارِ کار

دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام (پتوکی)

(۲۲-۲۳ جولائی ۱۹۹۳ء)

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام اس ہفتے کا دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام پتوکی کے لئے تشکیل دیا گیا۔ پروگرام کے مطابق رفقاء ۲۲ جولائی بروز جمعرات صبح ۶ بجے سے قبل قرآن اکیڈمی لاہور پہنچ گئے۔ ناشتہ کے بعد ۶-۳۰ پر پتوکی کے لئے روانگی عمل میں آئی۔ ۱۶ رفقاء کا یہ قافلہ دو گاڑیوں پر پتوکی کے لئے روانہ ہوا۔ قافلہ کے امیر نوید احمد صاحب تھے۔ ان کی معاونت کے لئے دو نائب امراء کا تقرر کیا گیا تھا۔ پتوکی کے راستے میں سفائر ٹیکسٹائل مل نمبر ۴ بمقام جمبر ملتان روڈ میں رفیق تنظیم غلام اصغر صدیقی صاحب سے ملاقات کی گئی اور ان سے پتوکی کے معاونینِ خلافت کے نام اور پتے حاصل کئے گئے۔

پتوکی میں جماعت کا قیام خدیجہ مسجد فیصل کالونی میں رہا۔ پہلے روز ۹-۳۰ پر تربیتی پروگرام کا آغاز کیا گیا جو ۱۱ بجے تک جاری رہا۔ اس دوران میں نوید احمد صاحب، نعیم غفور شیخ صاحب اور جاوید احمد صاحب ذاتی رابطے کے لئے چلے گئے۔ تربیتی پروگرام میں تنظیم اسلامی کی دعوت کی تفہیم کے لئے سوالنامہ کی بنیاد پر مذاکرہ کیا گیا۔ نوید احمد صاحب اور ان کے ہمراہ جانے والے رفقاء نے معاونینِ خلافت، خاص طور سے چوہدری رحمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر ضیاء رشید صاحب سے ملاقات کی اور بعد از مغرب دعوتی پروگرام طے کیا۔ ڈاکٹر ضیاء رشید صاحب کے ہمراہ چوہدری محمد اکرام صاحب سے ملاقات کی گئی جنہوں نے مسجد اقصیٰ اہلحدیث بدر کالونی میں خطاب جمعہ کا پروگرام طے کروایا۔ مسجد خدیجہ میں ایک تبلیغی جماعت پہلے سے موجود تھی جن کے امیر سے رابطہ کر کے انہیں تربیتی پروگرام میں شمولیت کی دعوت دی گئی لیکن انہوں نے اس سے معذرت کی کیونکہ نماز ظہر سے قبل ان کی یہاں سے روانگی تھی۔ تبلیغی بھائیوں نے ہمیں دوپہر کے کھانے میں شرکت کی دعوت دی جو ہم نے قبول کرلی اور کھانا ان کے ساتھ ہی کھایا۔

نماز عصر سے قبل تین ساتھیوں کو مسجد خدیجہ ہی میں چھوڑ کر باقی رفقاء مسجد مبارک اہلحدیث مین بازار میں چلے گئے، جہاں نماز عصر کے بعد تحریک خلافت کے تعارف اور بعد از مغرب ہونے والے دعوتی پروگراموں میں شمولیت کی دعوت دینے کے لئے بازاروں میں گشت کیا گیا۔ مسجد خدیجہ میں چھوڑے جانے والے تین رفقاء میں سے ڈاکٹر نجیب الرحمٰن صاحب

نے وہاں بعد نمازِ عصر سورۃ العصر کا درس دیا۔ بعد نماز مغرب دو جگہ دعوتی پروگرام ہوئے۔ مسجد مبارک میں نوید احمد صاحب نے تحریک خلافت کا تعارف پیش کیا۔ دوسرا پروگرام چوہدری رحمت اللہ صاحب' ان کے بھائی صاحب اور ان کے بیٹے ناصر صاحب کے بھرپور تعاون سے ان کے سکول (سٹی پبلک سکول) محلہ عیدگاہ میں ہوا' جہاں نعیم غفور شیخ اور حافظ خالد محمود خضر نے نظام خلافت کے حوالے سے خطاب کیا۔

مہرعلاؤالدین صاحب بعد دوپہر قریبی گاؤں کُھڈیاں چلے گئے اور وہاں پر ذاتی رابطہ کر کے دو حضرات کو ساتھ لے کر آئے۔ عشاء کی نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد نوید احمد صاحب اور نعیم غفور شیخ صاحب نوید صاحب کے ایک دوست محمد طفیل صاحب کے ہمراہ مولانا عبدالمنان صاحب سے ملاقات کے لئے گئے' جنہوں نے اگلے روز بعد نماز عصر مسجد قدس اہل حدیث پرانی منڈی میں خطاب کے لئے وقت عنایت فرمایا۔

مورخہ ۲۳ جولائی بروز جمعۃ المبارک: نماز فجر کے بعد خدیجہ مسجد فیصل کالونی میں سید ہشام مغربی نے درس حدیث دیا اور نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت بیان کی۔ بعدازاں ناشتہ کے دوران قریبی گاؤں بیرڈوال کے خطیب قاری مشتاق احمد صاحب دو نوجوانوں کے ہمراہ تشریف لائے اور ہمیں تبلیغی جماعت سمجھتے ہوئے اپنے گاؤں آنے کی دعوت دی۔ ہم نے ان سے خطابِ جمعہ کی بات کی تو وہ فوراً آمادہ ہو گئے۔

ناشتہ کے بعد تربیتی پروگرام کا آغاز ہوا جو ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہا۔ اس دوران نوید احمد صاحب اور نعیم غفور شیخ صاحب ذاتی ملاقاتوں کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ دونوں حضرات پہلے پروفیسر ملک وزیر علی صابر صاحب (سابق پرنسپل) سے ملے اور ان کی وساطت سے پروفیسر ریاض احمد صاحب سے ملاقات کی' جنہوں نے بدر کالونی کی عظیمیہ غوثیہ مسجد کے خطیب حافظ منیر احمد صاحب سے ملاقات کروائی۔ نوید احمد صاحب نے خطیب صاحب سے درخواست کی کہ وہ آج کے خطاب جمعہ کے لئے ہمیں موقع دیں جس کو انہوں نے قبول فرما لیا۔ اس طرح اب خطابات جمعہ کے لئے ہمیں تین مساجد میں موقع مل گیا۔ مسجد اقصیٰ اہل حدیث بدر کالونی میں حافظ خالد محمود خضر نے خطاب کیا جہاں کے خطیب قاری محمد اکرم صاحب نے' جو مولانا محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری کے صاحبزادے ہیں' بھرپور تعاون کیا۔ مسجد کے باہر مکتبہ بھی لگایا گیا اور نماز کے بعد نظام خلافت کا تعارف اور تعاون فارم بھی تقسیم کئے گئے۔ اس موقع پر چوہدری محمد اکرام صاحب نے تعاون فارم پر کر کے تحریک خلافت کے معاونین میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ بدر کالونی ہی میں مسجد عظیمیہ غوثیہ میں نوید احمد صاحب نے جمعہ کا خطاب کیا' جبکہ بیرڈوال محلہ میواتیاں میں مدرسہ تعلیم القرآن سے ملحق جامع مسجد میں دلشاد اعظم صاحب نے

خطاب کیا' جہاں اصغر علی صاحب سے خصوصی ملاقات بھی کی گئی۔

نماز عصر کے بعد نوید احمد صاحب نے مسجد قدس اہل حدیث پرانی منڈی میں خطاب کیا' جبکہ مسجد خدیجہ میں نماز عصر کے بعد رفقاء کا تربیتی پروگرام ہوا جس میں رفقاء نے "فرائض دینی کا جامع تصور" کے موضوع پر تقاریر کیں۔

ہر جمعہ کو شام چھ بجے ڈاکٹر ضیاء رشید صاحب کے کلینک پر' جہاں ایک چھوٹی سی لائبریری بھی قائم ہے' معاونین خلافت کا ہفتہ وار اجتماع ہوتا ہے۔ آج کے پروگرام میں لاہور سے آنے والے رفقاء بھی شریک ہوئے۔ اس پروگرام کو غلام اصغر صدیقی صاحب conduct کرتے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد رفقاء لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔

اس پروگرام کے دوران ڈاکٹر نجیب الرحمٰن صاحب کی ایک اضافی صلاحیت کا اندازہ ہوا کہ وہ ایک اچھے مدرس ہونے کے علاوہ کھانا پکانے میں بھی خاصے ماہر ہیں۔ پروگرام کے دوران ڈاکٹر صاحب دو رفقاء طیب علی اور تنویر صاحب کی معاونت سے کھانا پکانے کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے اور رفقاء سے اس پر دادِ تحسین وصول کرتے رہے۔

چوکی کا علاقہ تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کی دعوت کی اشاعت کے لئے خاصا زرخیز معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں میں جذبہ بھی ہے اور طلب بھی۔ لہٰذا اس علاقے میں گاہے بگاہے دو روزہ اور یک روزہ پروگرام ہوتے رہنے چاہئیں۔ (مرتب: خالد محمود خضر)

بقیہ: الہدیٰ

صادر فرما چکا ہے۔ وہاں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمہائے مبارک ابھی پہنچے بھی نہیں لیکن آپؐ کے استقبال کی وہاں تیاریاں ہو رہی ہیں اور ایمان کو تمکّن حاصل ہو چکا ہے۔ یہ ہے اللہ کا وہ پختہ وعدہ جس کا عملی ظہور اس صورت میں ہوا۔ بندۂ مومن کا فرض یہ ہے کہ اپنے حالات کے مطابق جو کچھ وہ کر سکتا ہو کر گزرے' نتائج کو اللہ کے حوالے کرے۔ آئندہ کہاں سے راستہ نکلے گا' اس کے بارے میں اسے خود فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے یہ چیز اپنے ذمے لی ہے: "لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" ہم لازماً کھولتے چلے جائیں گے ان کے لئے اپنے راستے!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○○

آئندہ دو ماہ کے دوران

پاکستان کے مختلف شہروں میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام

تربیت گاہوں کا پروگرام

------(۱)------

برائے مبتدی رفقاء--- ۱۳ تا ۱۹ اگست ۹۳ء

بمقام: قرآن اکیڈمی' کراچی' فون:5854036

------(۲)------

برائے ملتزم رفقاء--- ۲۰ تا ۲۶ اگست ۹۳ء

بمقام: مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' گڑھی شاہو' لاہور' فون:305110

------(۳)------

برائے مبتدی رفقاء--- ۳ تا ۹ ستمبر ۹۳ء

بمقام: ۲۵- آفیسرز کالونی' ملتان' فون:521070

------(۴)------

برائے مبتدی رفقاء--- ۱۷ تا ۲۳ ستمبر ۹۳ء

بمقام: دفتر تنظیم اسلامی پشاور' ۶-اے' رحمٰن پلازہ' خیبر بازار

فون:216346

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS

NTN BEARINGS

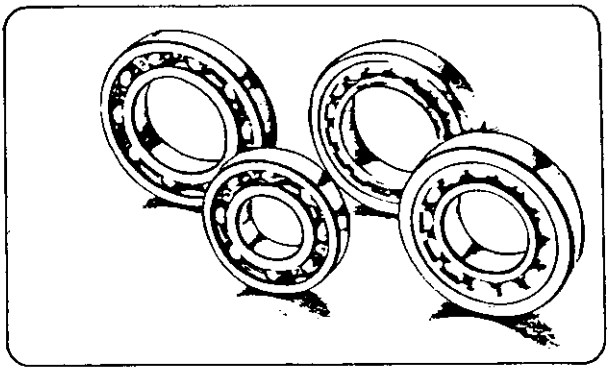

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)** Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REGD NO. L 7360
VOL. 42 NO. 8
Aug - 1993